و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق
لاہور

عدد ۲	فروری ۱۹۶۸ء	جلد ۱۵

فہرست

★ تذکرہ و تبصرہ	....	اسرار احمد	۱
★ تدبر قرآن	★ تفسیر سورۂ نساء (۱۰)	مولانا امین احسن اصلاحی	۹
★ افادات فراہی رح	★ عقائد پر قرآن سے استدلال ...	خالد مسعود	۳۵
★ مقالات	★ اصلاح معاشرہ کی بنیادیں (۱)	مولانا عبدالغفار حسن	۴۱
	★ تصوف پر ابن الجوزی کی تنقید	محمد یحییٰ ایم اے	۴۹
★ ورود فرنگ	★ انگلستان میں ماہ صیام و عید سعید	ابصار احمد ایم اے	۶۲

★ ★

زیر سرپرستی — مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر مسؤل — اسرار احمد

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور - ۱ (فون 69522)

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15	FEBRUARY 1968	No. 2

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول ———— مشتمل بر

مقدمہ وتفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک : ایک روپیہ پچھتر پیسے)

(اکتیس روپے پچھتر پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

اس کے علاوہ **تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ**

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے نمونہ کے طور پر طلب کرنے کے لئے صرف پچاس پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں ۔

بڑا سائز ۔ صفحات ۳۶ ۔ ہدیہ ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور نمبر ۱ فون نمبر ۶۹۵۲۲

قواعد و ضوابط

✱

✱ "میثاق" ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔
✱ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہوجانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

✱ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔

✱ پرچہ صرف بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔

✱ کمیشن ۲۵ فی صد — ✱ محصولڈاک بذمہ میثاق۔

★ قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے
★ سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے
★ مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے

نرخ نامہ اشتہارات

★ ٹائٹل کا آخری صفحہ "7 x 5" ۱۲۵ روپے
★ ٹائٹل کے اندرونی صفحات "8½ x 5" ۱۰۰ روپے
(ان کے لئے بلاک مہیا کیجئے ورنہ ٹائپ کی طباعت ہوگی)
★ اندرونی صفحات — فی صفحہ ۷۵ روپے — نصف صفحہ ۵۰ روپے

✱

ہندوستان کے خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کرکے ہمیں مطلع فرماویں:

۱۔ دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ
۲۔ دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے — آئندہ کے لئے

★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں — یا
★ بذریعہ خط ہمیں اجازت دیں کہ ہم آپ کو آئندہ شمارہ سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال کردیں۔

بصورت دیگر

★ ہم یہ گمان کریں گے کہ آپ آئندہ پرچے کی خریداری جاری نہیں رکھنا چاہتے، بنا بریں پرچہ کی ترسیل روک دی جائے گی!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تذکرہ و تبصرہ

جون ۱۹۶۶ء کے "تذکرہ و تبصرہ" میں ہم نے اوّلاً وہ بنیادی نکات متعین کئے تھے جن میں تہذیبِ جدید، جس کا فکری و فلسفیانہ تانا بانا یورپ میں تیار ہوا تھا اور جو آج پورے کرۂ ارضی پر محیط و مسلط ہے، دین و مذہب کی ضد واقع ہوئی ہے اور ثانیاً سرسری طور پر ان تحریکوں کا جائزہ لیا تھا جو عالمِ اسلام میں تہذیبِ مغرب کے مقابلے میں دین و مذہب کے دفاع کے لئے اٹھیں ——

اس کے بعد ہم نے "اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے جو "اصل کام" ہماری دانست میں کیا جانا ضروری ہے اس کی وضاحت کے ضمن میں عرض کیا تھا کہ:

"اسلام کی بنیاد ایمان پر ہے اور احیائے اسلام کا خواب ایمان کی عمومی تجدید کے بغیر کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔"

اور کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے اوّلین ضرورت اس امر کی ہے کہ:

"امت میں تجدیدِ ایمان کی ایک عظیم تحریک برپا ہو اور ایمان نرے اقرار اور محض 'قال' سے بڑھ کر 'حال' کی صورت اختیار کرلے۔"

ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ اس ضمن میں اوّلین اہمیت چونکہ ملّت کے ان ذہین عناصر کو حاصل ہے جو:

"از خود معاشرے کی رہنمائی کے منصب پر فائز اور اجتماعیت کی پوری باگ ڈور پر قابض ہوتے ہیں۔"

لہٰذا:

"وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک زبردست علمی تحریک ایسی اٹھے جو سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات اور ذہین ترین عناصر کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کردے اور انہیں مادیت اور الحاد کے اندھیرے سے نکال کر ایمان اور یقین کی روشنی میں لے آئے اور خدا پرستی و خودشناسی کی دولت سے مالا مال کردے۔"

مزید وضاحت کے لئے عرض کیا گیا تھا کہ :

" خالص علمی سطح پر اسلامی اعتقادات کے مدلّل اثبات اور الحاد و مادہ پرستی کے پُرزور ابطال کے بغیر اس مہم کا سَر ہونا محال ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ چونکہ موجودہ دور میں فاصلے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں اور پوری نوعِ انسانی ایک کنبے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے لہٰذا علمی سطح کا تعین کسی ایک ملک کے اعتبار سے نہیں بلکہ پوری دنیا کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق کرنا ہوگا ——— اور اگرچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ کام انتہائی کٹھن اور سخت محنت طلب ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس کے بغیر اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے خواب دیکھنا جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔"

آخر میں عرض کیا گیا تھا کہ :

" متذکرہ بالا علمی تحریک کے اجراء کے لئے فوری طور پر دو چیزیں لازمی ہیں : "

ان میں سے پہلی ضروری چیز کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی تھی :

" ایک یہ کہ عمومی دعوت و تبلیغ کا ایک ایسا ادارہ قائم ہو جو ایک طرف تو عوام کو تجدیدِ ایمان اور اصلاحِ اعمال کی دعوت دے اور جو لوگ اس کی جانب متوجہ ہوں ان کی ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی تربیت کا بندوبست کرے اور ساتھ ہی اس علمی کام کی اہمیت ان لوگوں پر واضح کرے جو خلوص اور دردمندی کے ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے آرزومند ہیں اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوانوں کو تلاش کرے جو پیشِ نظر علمی کام کے لئے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں : "

اسی کے ضمن میں مزید عرض کیا گیا تھا کہ :

" آج کے دور میں، جبکہ مادّیت اور دنیا پرستی کا قلوب و اذہان پر مکمل تسلط ہے اور کچھ تو فی الواقع طلبِ معاش کا مسئلہ اتنا کٹھن ہو گیا ہے کہ اکثر لوگوں کو اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں اسی کے حل پر مرکوز کر دینی پڑتی ہیں پھر معاشرے کا عام رجحان یہ ہو گیا ہے کہ جو ذرا اس سطح سے بلند ہوتا ہے اس پر معیارِ زندگی کو بلند تر کرنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے نوجوانوں کا ملنا بظاہر محال نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا سعید روحوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی، اور اگر کچھ مخلص و صاحبِ عزیمت لوگ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھالیں تو ان شاء اللہ اسی معاشرے میں بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک نوجوان ایسے مل جائیں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک کو کہ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ اپنا لائحہ عمل بنا کر علمِ قرآن کی تحصیل و اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں ——— یہ بھی واضح رہے کہ اصل ضرورت صرف اس کی ہوتی

ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان میں داخلی طور پر ایک داعیہ بیدار ہو جائے، پھر یہ داعیہ کام کی راہیں خود پیدا کر لیتا ہے اور تمام موانع و مشکلات سے خود نبٹ لیتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خیال کو عام اور اس کی ضرورت کے احساس کو اجاگر کیا جائے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس اعلیٰ و ارفع نصب العین کے لئے کام کرنے والے دستیاب نہ ہو سکیں۔"

خدا کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ جلد ہی مولانا عبد الغفار حسن اور شیخ سلطان احمد صاحب کی مساعیٔ جمیلہ کے نتیجے میں "عمومی دعوت و تبلیغ" کا وہ "ادارہ" جس کا تذکرہ سطورِ بالا میں کیا گیا تھا "تنظیمِ اسلامی" کے نام سے قائم ہو گیا۔ جس کی تاسیسی قرارداد میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ :

"عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتی ہے۔ اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلّل ابطال کیا جائے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ ان کی اصل حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں۔"

اور اس کی "توضیح" میں مزید وضاحت کر دی گئی ہے کہ :

" اس ضمن میں ہمارے نزدیک اس وقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایک طرف ادیانِ باطلہ کے مزعومہ عقائد کا موثر و مدلّل ابطال کیا جائے اور دوسری طرف مغربی فلسفہ و فکر اور اس کے لائے ہوئے زندقہ و الحاد اور مادہ پرستی کے سیلاب کا رُخ موڑنے کی کوشش کی جائے اور حکمتِ قرآنی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست جوابی علمی تحریک برپا کی جائے جو توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی حقائق کی حقانیت کو بھی مبرہن کر دے اور انسانی زندگی کے لئے دین کی رہنمائی و ہدایت کو بھی مدلّل و مفصل واضح کر دے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے حلقے میں نئی اقوام کا داخلہ اور جسدِ دین میں نئے خون کی پیدائش ہی نہیں خود اسلام کے موجود الوقت حلقہ بگوشوں میں حرارتِ ایمانی کی تازگی اور دین و شریعت کی عملی پابندی اسی کام کے ایک موثر حد تک تکمیل پذیر ہونے پر موقوف ہے؛ اس لیے کہ دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کے سیلاب میں خود مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد اس طرح بہہ نکلی ہے کہ ان کا ایمان بالکل بے جان اور دین سے ان کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے اور اسی بنا پر دین میں نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں اور ضلالت و گمراہی نت نئی صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔

اس سلسلے میں انفرادی کوششیں تو اب بھی جیسی کچھ بھی عملاً ممکن ہیں جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری

دیں گی۔ ضرورت اس کی داعی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو وسائل فراہم کئے جائیں اور ایک ایسے باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو حکمتِ قرآنی اور علمِ دینی کی نشر و اشاعت کا کام بھی کرے۔ اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب اور موثر بندوبست کرے جو عربی زبان، قرآن حکیم اور شریعتِ اسلامی کا گہرا علم حاصل کر کے اسلامی اعتقادات کی حقانیت کو بھی ثابت کریں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے جو ہدایات اسلام نے دی ہیں انہیں بھی ایسے انداز میں پیش کریں جو موجودہ اذہان کو اپیل کر سکے۔"

"تنظیم اسلامی" جس کے قیام کا فیصلہ اللہ کا نام لے کر کیا جا چکا ہے۔ بہرحال ابھی بالکل ابتدائی دور میں ہے اور ابھی اسے بہت سی ابتدائی منازل طے کرنی ہیں جن کے لئے لامحالہ کچھ وقت درکار ہے۔ بہرحال ہمیں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ اللہ کے جن چند بندوں نے محض اسی کی تائید و نصرت کی امید پر ایک عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے وہ ابتدائی مشکلات و موانع کا سامنا ہمت اور عزیمت کے ساتھ کر کے جلد ہی اسے بقول مولانا امین احسن اصلاحی "ایک چلتا ہوا قافلہ" بنا دیں گے۔ اور اس کے ضمن میں جہاں افراد کی "دینی و اخلاقی تربیت" اور ان میں "دین کی دعوت، اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے جذبے کے نشو و نما کا اہتمام کیا جائے گا وہاں اس "جوابی علمی تحریک" کے برپا کرنے کی سعی و جہد بھی کی جائے گی، جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

جون ۷۶ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں متذکرہ بالا علمی تحریک کے اجراء کے لئے دوسرے فوری اقدام کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

"دوسرے یہ کہ ایک قرآنی اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جو ایک طرف علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا بندوبست کرے تاکہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لوگوں پر آشکارا ہو اور دوسری طرف ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی براہ راست آگاہ ہوں تاکہ متذکرہ بالا علمی کاموں کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔

علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا اہم ترین نتیجہ یہ نکلے گا کہ عام لوگوں کی توجہات قرآن حکیم کی جانب مرکوز ہوں گی، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو گا، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو گی اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو گا۔ نتیجۃً بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے 'متعارف' ہوں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے ایک اچھی بھلی تعداد ایسے نوجوانوں کی نہ نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی کو اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس اکیڈمی کا اصل کام ہو گا اور اس کے لئے ضروری ہو گا کہ ان کو پختہ بنیادوں

پر عربی کی تعلیم دی جائے۔ یہاں تک کہ ان میں زبان کا گہرا فہم اور اس کے ادب کا ستھرا ذوق پیدا ہو جائے۔ پھر انہیں پورا قرآن حکیم سبقاً سبقاً پڑھایا جائے اور ساتھ ہی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم دی جائے۔ پھر ان میں سے جو لوگ فلسفہ و الٰہیات کا ذوق رکھنے والے ہوں گے ان کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ قرآن حکیم کی روشنی میں جدید فلسفیانہ رجحانات پر مدلل تنقید کریں۔ اور جدید علم الکلام کی بنیاد رکھیں۔ اور جو عمرانیات کے مختلف شعبوں کا ذوق رکھنے والے ہوں گے، ان کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے اسلام کی رہنمائی و ہدایت کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں۔"

اس سلسلے میں مزید عرض کیا گیا تھا کہ:

"خوش قسمتی سے قریبی زمانے میں برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہیؒ ایسی شخصیت ہو گذری ہے جس نے اپنی پوری زندگی کو قرآن حکیم کے گہرے مطالعے اور تدبر میں کھپا کر نہ صرف یہ کہ اس کے حق تدبر و تفکر ہونے کا اجاگر کیا بلکہ تدبر قرآن کے کچھ ایسے اصول بھی متعین کر دیئے جن کی روشنی میں قرآن حکیم پر غور و فکر کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ — پھر یہ بھی اللہ تعالےٰ کا بڑا فضل ہے کہ اگرچہ ان کے تلمیذ رشید یعنی مولانا امین احسن اصلاحی کی زندگی کا بہت سا حصہ کچھ دوسرے کاموں کی نذر ہو گیا۔ اور عمر کے اس حصے میں جبکہ قویٰ پر ویسے بھی اضمحلال طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ انہیں پیہم کئی ایسے صدموں سے دوچار ہونا پڑا جن سے اچھے اچھے جواں مردوں کی کمر ہمت بھی ٹوٹ کر رہ جائے۔ تاہم انہوں نے اپنی قوتوں کو از سر نو مجتمع کر کے ایک طرف تفسیر تدبر قرآن کا کام شروع کر دیا، جس سے نہ صرف یہ کہ خود ان کے اور ان کے استاذ امام فراہیؒ کے زندگی بھر کے مطالعے اور غور و فکر کے ماحصل کے محفوظ ہونے کی صورت پیدا ہو سکے گی بلکہ قرآن پر تدبر کا طریق بھی مزید واضح ہو جائے گا، اور اس کام کو آگے بڑھانا ممکن ہو سکے گا —— اور دوسری طرف کچھ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی شروع کر دیا جو کالجوں سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ گویا جدید دنیا سے کسی قدر باخبر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ایک حد تک بہرہ ور ہو چکے تھے، اور انہیں عربی زبان کی تعلیم اس حد تک دے کر کہ ان میں ادب کا ذوق پیدا ہو جائے۔ انہیں پورے قرآن حکیم کا درس بھی دیا اور کتب حدیث میں سے صحیح مسلمؒ بھی پڑھائی —— اور اس طرح ایک چھوٹے سے پیمانے پر 'حلقہ تدبر قرآن' کی بنیاد رکھ دی —!

اب اگر کچھ باہمت لوگ میدان میں آ جائیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں تو یہی حلقہ تدبر قرآن ایک ایسے مرکز (NUCLEUS) کی صورت اختیار کر سکتا ہے جس کے ارد گرد ایک قرآنی اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ —— اور کالجوں اور یونیورسٹیوں سے

فلسفہ و نفسیات، ریاضی و طبیعیات اور عمرانیات کے مختلف شعبوں یعنی سیاسیات اور معاشیات وغیرہ کے فارغ التحصیل نوجوان قرآن حکیم کے نور سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کرکے اپنے اپنے شعبہ علم میں قرآن کی حکمت و معرفت اور ہدایت و رہنمائی کو خالص علمی انداز میں بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکیں اور اس طرح اس علمی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکے جس سے مادہ پرستی اور الحاد کی جڑیں کٹ جائیں اور خدا پرستی و خود شناسی کی دولت عام ہو جائے --! اس کے بعد ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ "قرآنی اکیڈمی" کے مندرجہ بالا منصوبے اور اس مجوزہ ادارے کے مابین کوئی فرق نہیں ہے جس کا تذکرہ "تنظیم اسلامی" کی اساسی قرارداد اور اس کی توضیحات میں کیا گیا ہے، اور جس کا قیام "تنظیم اسلامی" کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ یہ ادارہ بہرحال کسی ایک مقام ہی پر قائم ہوگا اور ایسا مقام سوائے لاہور کے اور کون سا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک تو ویسے بھی اسے پاکستان کے علمی و ثقافتی مرکز ہونے کا مقام از خود حاصل ہے اور دوسرے خدا کے فضل و کرم سے یہاں بعض ایسے کاموں کی ابتدا بھی ہو چکی ہے جو کسی آئندہ مرحلے پر باہم ادغام سے "قرآنی اکیڈمی" کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا "تنظیم اسلامی" کے رفقائے لاہور کو ابتدا ہی سے اپنی سرگرمیوں میں اس کے قیام کو مرکزی اہمیت دینی چاہئیے۔ ذاتی طور پر راقم سطور بلا ادنیٰ شائبہ تعلی یہ عرض کرتا ہے کہ "قرآن اکیڈمی" کا قیام اس کی زندگی کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے اور اس کی بیشتر مساعی اور بہترین صلاحیتیں ان شاء اللہ اسی مقصد کے لئے وقف رہیں گی۔

"قرآنی اکیڈمی" کا یہ منصوبہ دو بڑے بڑے اجزاء پر مشتمل ہے یعنی ایک "علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت" اور دوسرے "مقاصد مذکورہ بالا کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے والے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت"۔ 'دار الاشاعت الاسلامیہ' کا قیام ان میں سے پہلے مقصد کے لئے ہی عمل میں لایا گیا ہے، اس کے تحت 'میثاق' کے دوبارہ اجراء میں یہ مقاصد بھی پیش نظر تھے کہ ایک طرف مولانا اصلاحی کے لئے تفسیر تدبر قرآن کی تحریر کے لئے مسلسل تحریک موجود رہے اور جتنی کچھ تفسیر وہ لکھتے جائیں وہ لوگوں کے سامنے آتی چلی جائے۔ دوسری طرف مولانا فراہیؒ کے مسودات کے تراجم کی اشاعت تسلسل کے ساتھ ہوتی رہے۔ تیسرے حلقہ تدبر قرآن سے منسلک نوجوانوں کے لئے تحریری مشق اور تصنیف و تالیف کی تربیت کا سامان ہوتا رہے! بحمد اللہ 'میثاق' ان سارے ہی مقاصد کو باحسن وجوہ پورا کر رہا ہے، اس کی ضخامت میں جو اضافہ گزشتہ اشاعت سے کیا گیا ہے وہ ان شاء اللہ صرف تفسیر کے لئے وقف رہے گا۔ گویا ہر پرچے میں تقریباً تین کاپیاں یعنی چوبیس صفحات 'تدبر قرآن' کے لئے مخصوص رہیں گے۔ آئندہ شمارے میں تفسیر سورۂ نساء مکمل ہو جائے گی،

اور اس سال کے آخر تک سورۂ مائدہ چھپ جائے گی۔ ان شاء اللہ [1]

'تدبر قرآن' کی جلد اوّل کی طباعت 'دار الاشاعت الاسلامیہ' کا وہ کارنامہ ہے جس کے لئے وہ جتنا فخر بھی کرے کم ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کی طباعت ہر اعتبار سے معیاری ہوئی۔ راقم الحروف کی ذاتی خواہش تو یہ ہے کہ جیسے ہی سورۂ مائدہ 'میثاق' میں چھپ کر مکمل ہو 'تدبر قرآن' کی جلد دوم بھی جو سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی تفاسیر پر مشتمل ہوگی مارکیٹ میں آ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا انحصار اس پر ہے کہ جلد اوّل جلد از جلد اپنے قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے اور اس پر جو لاگت آئی ہے اس کا معتدبہ حصہ واپس آ جائے۔ اور یہ معاملہ بہرحال راقم الحروف کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری 'تدبر قرآن' کے قدردانوں پر ہے جس کی فکر انہیں کرنی چاہئیے۔

مولانا اصلاحی کی دوسری تصانیف، حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ تقویٰ، تدبر قرآن، دعوتِ دین اور اس کا طریق کار، اور سلسلۂ اسلامی ریاست کی اشاعت بھی، جیسا کہ اس سے قبل بھی ہم گزارش کرتے رہے ہیں، "علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت" کے ضمن میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ خدا کرے کہ اس کی بھی کوئی صورت جلد پیدا ہو جائے۔

'میثاق' کے جون ۱۹۶۵ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' کو جس میں 'قرآن اکیڈمی' کی پوری تجویز اپنے استدلالی پس منظر کے ساتھ، بیان ہوئی ہے۔ اس خط کے ساتھ جو پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے اس کی تائید اور توضیح کے لئے تحریر فرمایا تھا، اور جو 'میثاق' میں دو اقساط میں شائع ہو چکا ہے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے نام سے ایک پمفلٹ کی صورت میں عنقریب شائع کر دیا جائے گا تاکہ یہ تجویز زیادہ وسیع حلقے میں پھیل بھی سکے اور مسلسل پیش نظر بھی رہے! اس کے علاوہ ایک تقریر جو حال ہی میں مسلسل دو جمعوں میں سمن آباد لاہور کی مسجد خضراء میں "مسلمانوں پر قرآن حکیم کے حقوق" کے موضوع پر کی گئی اسے بھی پہلے 'میثاق' میں اور پھر کتابچے کی صورت میں ان شاء اللہ شائع کر دیا جائے گا۔

اس پورے سلسلۂ اشاعت سے مقصود بہرحال یہی ہے کہ عام لوگوں کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں۔ ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔"

[1] قارئین 'میثاق' یہ جان کر خوش ہوں گے کہ مولانا اصلاحی تفسیر سورۂ مائدہ مکمل کر چکے ہیں اور اب سورۃ الانعام کی تفسیر لکھ رہے ہیں!

اسی مقصد کے حصول کا ایک اہم اور موثر ذریعہ "حلقہ ہائے مطالعہ قرآن" کا قیام ہے۔ جس کی ابتدا بھی بفضلہٖ تعالیٰ لاہور میں ہو چکی ہے۔ برادرم خالد مسعود صاحب کا قائم کردہ حلقہ ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ ایک حلقے کی بنیاد گوالمنڈی کے علاقے میں پڑ چکی ہے۔ ایک حلقہ حال ہی میں سمن آباد میں قائم ہوا ہے[1]۔ خیال یہ ہے کہ چند اور حلقے بھی جلد ہی لاہور میں قائم کر دیئے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے براہِ راست رابطہ قائم ہو جائے اور قرآن حکیم کی جانب توجہ و التفات کی ایک عام رَو چل نکلے۔ یہ حلقے ان شاء اللہ ایسے نوجوانوں کی تلاش کے ضمن میں انتہائی اہم ثابت ہوں گے جو اپنی زندگیوں کو قرآن کے علم و حکمت کی تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کرنے کو تیار ہو جائیں ۔ اور عجب نہیں کہ یہی حلقے مستقبل کی قرآن اکیڈمی کے "بھرتی کے مرکز" (RECRUITMENT CENTRES) ثابت ہوں ۔

راقم کے مکان پر مولانا امین احسن اصلاحی کا جو ہفتہ وار درس تقریباً تین ماہ سے باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے اس کی نوعیت درحقیقت "مرکزی حلقہ تدبر قرآن" کی ہفت روزہ نشست کی سی ہے جس میں زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کی شرکت مفید ہے جن کا ایک ذہنی و فکری تعلق قرآن حکیم کے ساتھ قائم ہو چکا ہو اور جن میں کلام مجید پر تدبر و تفکر کا جذبہ بیدار ہو چکا ہو۔ ایسے لوگ اس نشست کو یقیناً انتہائی مفید پائیں گے ۔ اور جیسے جیسے مختلف حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کے ذریعے لوگوں کی قرآن حکیم کے ساتھ دلچسپی بڑھے گی ، ایسے لوگ معتدبہ تعداد میں نکلنے شروع ہو جائیں گے جو اس نشست سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ ہفتہ وار نشست ان شاء اللہ حسب سابق یعنی ہر اتوار کو دو بجے تا ۴ بجے سہ پہر راقم سطور کے مکان پر منعقد ہوتی رہے گی ۔

جن نوجوانوں کو قرآن مجید سے ذہنی مناسبت اور قلبی انس پیدا ہو جائے ان کے لئے فوری طور پر کم از کم ابتدائی عربی کی تعلیم کا اہتمام ناگزیر ہے ۔ یہ کام بھی لاہور میں ایک مقام پر تو شروع ہو چکا ہے یعنی سمن آباد میں برادرم خالد مسعود صاحب کے زیر اہتمام اور ایک اور مقام پر یعنی کرشن نگر میں ان شاء اللہ جلد ہی اس کو شروع کر دیا جائے گا ۔ بعض دوسرے اداروں مثلاً ادارہ درس و اشاعتِ اسلام وغیرہ کے زیر اہتمام عربی کلاسز کا جو سلسلہ لاہور میں قائم ہے اس سے بھی اس ضمن میں مدد لی جا سکتی ہے ۔

متذکرہ بالا تمام کام "قرآن اکیڈمی" کے مبادی میں سے ہیں ۔ اس کا اصل کام ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا باقاعدہ اہتمام ہے جو اپنی زندگیوں کو قرآن مجید کے علم و حکمت کی تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت

(باقی صفحہ ۶۵ پر)

[1] اس حلقے کا اجتماع ہر اتوار کو صبح ۹ بجے بزرگوارم حاجی نثار احمد صاحب کے مکان واقع نمبر ۱۱ ۲ ای ۔ سمن آباد لاہور میں منعقد ہوتا ہے ۔

مشق تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ نساء

۱۰

۳۶- آگے کا مضمون آیات ۱۲۶-۱۳۴

آگے کا مضمون ۱۲۶ - ۱۳۴

اسلامی معاشرہ کی تاسیس، تنظیم، اور تطہیر سے متعلق جو اصولی باتیں تھیں وہ اوپر کی آیات پر تمام ہوئیں۔ اب آگے کا حصہ، سورہ کے آخر تک، خاتمۂ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں پہلے بعض سوالات کے جواب دیئے ہیں جو اسی سورہ کی آیات ۲-۴ میں بیان کردہ احکام سے متعلق بعد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آخر سورہ تک مسلمانوں کو، منافقین کو اور اہل کتاب کو خطاب کر کے آخری تنبیہ کی نوعیت کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ یہ سوالات بعد میں پیدا ہوئے اس لیے ان کے جواب سورہ کے آخری باب کے ساتھ رکھے گئے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہ بعد میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے احکام کی حکمت سمجھنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

زیر بحث مجموعۂ آیات کو سمجھنے کے لیے آیات ۲-۴ پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ وہاں یتامیٰ کی مصلحت اور بہبود کے پہلو سے ان کی ماؤں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو اس کے ساتھ چار کی قید اور ادائے مہر اور عدل کی شرط لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہر اور عدل دونوں ہی چیزوں سے متعلق لوگوں کے اندر سوالات پیدا ہوئے۔ مہر کے متعلق یہ کہ جن عورتوں سے نکاح انھی کے یتیم بچوں کی مصلحت سے کیا جائے انھیں مہر ادا کرنے کی پابندی ایک بھاری شفقت ہے جس کو اولیا برداشت نہیں کر سکیں گے ۔ اسی طرح اگر عدل کا مفہوم قلبی میلان اور ظاہری سلوک دونوں میں کامل مساوات ہے تو یہ بھی ناممکن ہے ۔ ایک شخص نے اپنی ایک پسندیدہ بیوی رکھتے ہوئے اگر ایک عورت سے اس لیے نکاح کیا ہے کہ اس کے یتیم بچوں کی تربیت اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں سہولت ہو جائے تو

یکس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی چہیتی بیوی اور اس دوسری بیوی دونوں سے یکساں محبت اور یکساں سلوک کر سکے۔ قرآن نے یہاں ان دونوں سوالوں کا جواب دیا ہے۔ پہلے سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر ایک شخص ایک عورت کو پسند ہی نہیں کرتا تو اس سے نکاح ہی کیوں کرے اگر پسند کرکے نکاح کرتا ہے تو پھر مہر ادا کرے لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی واضح فرما دی کہ مہر کا معاملہ اصلاً عورت کا معاملہ ہے۔ وہ اگر اپنی مصلحت کے تحت اپنے شوہر سے کوئی سمجھوتہ کرے تو اس کا اس کو اختیار ہے اور یہی بہتر ہے، لیکن مرد کے شایانِ شان یہی بات ہے کہ وہ دبے ہوئے کو دبانے کے بجائے احسان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ عدل سے مراد وہ عدل نہیں ہے کہ قلبی میلان اور ظاہری سلوک بالکل کانٹے کی تول برابر برابر ہو۔ اس طرح کا عدل کوئی پوری نیک نیتی سے کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ مطلوب جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ ظاہری سلوک و معاملات میں روش ایسی رہے کہ دونوں کے حقوق ادا ہوتے رہیں یہ نہ ہو کہ ایک بیوی بالکل معلقہ بن کے رہ جائے، نہ اسے دل کی محبت حاصل ہو، نہ ظاہر کا سلوک، نہ بیوی رہے نہ مطلقہ۔

اس کے بعد باندازِ تنبیہ نصیحت فرمائی کہ آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اس نے اہلِ کتاب کو بھی اپنے حدود کی پابندی کی ہدایت فرمائی تھی اور اسی کی ہدایت وہ تمہیں بھی کر رہا ہے۔ اگر تم ان کی پابندی کرو گے تو اپنا بناؤ گے، اگر نافرمانی کرو گے تو خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑو گے۔ خدا سب سے بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو بخش دے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو دنیا ہی کے طالب بنتے ہیں وہ جتنا مقدر ہوتا ہے دنیا میں سے پاتے ہیں۔ اور جو آخرت کے طالب بنتے ہیں تو خدا کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے خزانے ہیں —— اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ
تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ
وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ
بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ
حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَ
تَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ
وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا
فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلَّهِ
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ
أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ
يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ
سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ

اور لوگ تم سے عورتوں کے باب میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ ان کے باب میں بھی اور اس حکم کے باب میں بھی جو تمہیں کتاب میں ان عورتوں کے یتیموں کے بارے میں دیا جا رہا ہے جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے لکھا گیا ہے لیکن ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور بے سہارا بچوں کے باب میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ ان کے مہر دو اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو اور جو مزید تم بھلائی کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بیزاری یا بے پروائی کا اندیشہ ہو تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں اور سمجھوتا ہی بہتر ہے۔ طبیعتوں میں حرص رچی بسی ہوتی ہے۔ اور اگر تم حسن سلوک کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو جو کچھ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔ ۱۲۷ - ۱۲۸

اور تم پورا پورا عدل تو بیویوں کے درمیان کر ہی نہیں سکتے اگرچہ تم اس کو چاہو بھی تو یہ تو نہ ہو کہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک پڑو کہ دوسری کو بالکل معلقہ بنا کر رکھ دو اور اگر تم اصلاح کرتے رہو گے اور خدا سے ڈرتے رہو گے تو خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو

اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اللہ بڑی سمائی رکھنے والا اور حکیم ہے۔ ۱۲۹-۱۳۰

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تم سے پہلے جن کو کتاب دی گئی ہم نے انھیں بھی ہدایت کی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے، اے لوگو، اور دوسروں کو لائے، اللہ اس چیز پر قادر ہے جو دنیا کے صلے کا طلبگار ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا صلہ موجود ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱۳۱-۱۳۴

۲۷- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝ ۱۲۷

'وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ' (وہ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں) میں اسی طرح کا اجمال ہے جس طرح کا اجمال وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ (اور وہ تم سے اشہر حرم کے بارے میں سوال کرتے ہیں) میں ہے۔ وہاں ہم بیان کر آئے ہیں کہ قرآن میں لوگوں کے سوال بالعموم نہایت اجمال کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اور یہی طریقہ قرین بلاغت ہے۔ اس لیے کہ جب جواب سے سوال کی نوعیت خود واضح ہو جاتی ہے تو سوال کے نقل کرنے میں طولِ کلام کی کیا ضرورت باقی رہی۔

'وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ' کا عطف فِيهِنَّ کی ضمیر مجرور پر ہے اور الکتب سے مراد قرآن ہے اور یہاں اشارہ ہے اسی سورہ کی آیات ۲-۴ کی طرف جن میں بیان کردہ

حکم ہی سے متعلق سوالات کے یہاں جواب دیے گئے ہیں۔ یعنی اللہ عورتوں سے متعلق سوال کا جواب بھی دے رہا ہے اور اس حکم سے متعلق بھی جو تمھیں اسی سورہ کی ابتدائی آیات میں سنایا گیا ہے۔ 'يُتْلَىٰ' حال کا صیغہ تصویرِ حال کے لیے ہے اس لیے کہ اس وقت یہ آیتیں زیرِ تعلیم بھی تھیں اور ہر حلقے میں زیرِ بحث بھی۔

'فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ' یہ ان آیات میں بیان کردہ حکم کی طرف اجمالی اشارہ ہے۔ یعنی یہ فتویٰ اس حکم کے بارے میں بھی ہے جو تمھیں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے بارے میں دیا گیا ہے جن عورتوں کو تم ان کا حق تو دینے کے لیے تیار نہیں ہو لیکن ان سے نکاح کرنے کے خواہشمند ہو ــــ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اور وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ میں نساء سے مراد یتیموں کی مائیں ہی ہیں جیسا کہ ہم نے اختیار کیا ہے، اور یہ اشارہ بھی نکلا کہ لوگ یتیموں کی مصلحت سے ان سے نکاح تو کرنا چاہتے تھے لیکن مہر اور عدل کی شرط ان پر شاق تھی۔ 'مَا كُتِبَ لَهُنَّ' کے معنی ہیں جو ان کے لیے خدا کی طرف سے ٹھہرائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح ان کے معاملے میں مہر کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے اسی طرح عدل کی شرط بھی ہے۔ اس وجہ سے یہ دونوں چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہوں گی۔

'وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ' وہ فتویٰ ہے جو استفتے کے جواب میں ارشاد ہوا ہے لیکن یہاں عربی زبان کا یہ اسلوب یاد رکھنا چاہیے کہ جب معطوف اس طرح آئے کہ کلام میں اس کا معطوف علیہ موجود نہ ہو تو وہاں ان تمام باتوں کو معطوف علیہ کی حیثیت سے محذوف مان لینے کی گنجائش ہوتی ہے جن پر قرینہ دلیل ہو۔ اس کی ایک سے زیادہ مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں اور آگے بھی اس کتاب میں اس کی نہایت واضح مثالیں آئیں گی۔ یہاں کلام میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو 'وَأَنْ تَقُومُوا' کا معطوف علیہ بن سکے۔ اس وجہ سے لازماً یہاں محذوف ماننا پڑے گا اور یہ محذوف سیاق کلام کی روشنی میں معین کیا جائے گا چنانچہ یہاں 'وَأَنْ تَقُومُوا' سے پہلے یہ مضمون محذوف ہوگا کہ 'ان عورتوں کو ان کے مہر دو، ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو' پھر اس کے اوپر 'وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ' کا عطف موزوں ہوگا۔ یعنی اور یتیموں کے لیے عدل کی حفاظت کرنے والے بنو، گویا فتوے میں یہ بات

واضح کردی گئی کہ مہر اور عدل کی شرط جس طرح عام عورتوں کے معاملے میں ہے اسی طرح یتیموں کی ماؤں کے بارے میں بھی ہے اور آیات وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا الآیہ میں عورتوں کے ساتھ عدل کا اور آیت وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ الآیہ میں ادائے مہر کا جو حکم ہے تو وہ یتیموں کی ماؤں ہی سے متعلق ہے جن سے تم نکاح تو کرنا چاہتے ہو لیکن مہر اور عدل کی کھکھیڑ میں پڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اس طرح گویا قرآن نے آیات ۳-۴ کے اجمال کو کھول دیا اور اس فتوے کے ذریعہ سے ان میں دیے ہوئے احکام کو مزید موکد کر دیا۔

اس آیت کی تاویل میں چونکہ بڑا اختلاف ہے اور یہ اختلاف زیادہ تر نتیجہ ہے کلام کی تالیف نہ سمجھنے کا اس وجہ سے ہماری توضیح کی روشنی میں کلام کی تالیف پر غور کر کے اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ اس روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ عورتوں کے مہر اور مختلف بیویوں کے درمیان عدل کے بارے میں تم سے سوالات کر رہے ہیں، خاص طور پر یتیموں کی ماؤں کے مہر اور ان کے درمیان عدل کے بارے میں کہ جب ان کے ساتھ نکاح میں اصل مصلحت انہی کے بچوں کی ہے تو کیا مہر اور عدل کی شرط ان کے معاملے میں بھی اسی طرح لازمی ہوگی جس طرح دوسری عورتوں کے بارے میں ہے؟ فرمایا کہ ان کو بتا دو کہ اللہ عام عورتوں کے بارے میں بھی اور یتامیٰ کی ان ماؤں کے بارے میں بھی جن کا حکم آیات ۳-۴ میں بیان ہوا ہے، جن سے تم نکاح تو کرنا چاہتے ہو لیکن ان کے لیے عدل و مہر کے حق کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے نیز بے بس یتیموں کے باب میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ ان کے مہر دو، ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو اور یتیموں کے لیے حق و انصاف کے قائم کرنے والے بنو۔ مزید برآں جو نیکی اور حسن سلوک کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہوگا اور خدا کے ہاں اس کا صلہ پاؤ گے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ ۱۲۸

'نشوز' کے لفظ پر پیچھے بحث گزر چکی ہے۔ 'نشوز' عورت کی طرف سے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی قوامیت کو تسلیم نہ کرے۔ مرد کی طرف سے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بیوی کے حقوق تسلیم کرنے سے انکار کرے اور اس سے چھپا چھڑانے پر آمادہ ہو جائے۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ 'شح' کے معنی بخل کے بھی ہیں اور حرص کے بھی۔ بخل تو یہ ہے کہ آدمی ادائے حقوق میں تنگ دلی برتے۔ یہ چیز ہر حال میں مذموم ہے لیکن حرص اچھی چیز کی بھی ہو سکتی ہے، بری چیز کی بھی۔ حد کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور حد سے باہر بھی۔ اس وجہ سے اس کا اچھا اور برا ہونا ایک امر اضافی ہے۔ اپنے اچھے پہلو کے اعتبار سے یہ انسانی فطرت کے اندر اپنا ایک مقام رکھتی ہے لیکن اکثر طبائع پر اس کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک بیماری بن کے رہ جاتی ہے اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ میں اس کے اسی پہلو کو تعبیر کیا گیا ہے۔

یعنی مہر اور عدل تو ہر عورت کا ایک حق شرعی ہے لیکن کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے اگر یہ اندیشہ ہو کہ ان پابندیوں کا بوجھ اگر اس پر اس نے لاد رکھا تو وہ اس کو چھوڑ دے گا یا اس سے بے پروائی برتے گا تو اس امر میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں مل کر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیں۔ یعنی عورت اپنے حق مہر، عدل اور نان نفقے کے معاملے میں ایسی رعایتیں شوہر کر دے کہ قطع تعلق کا اندیشہ رفع ہو جائے۔ فرمایا کہ صلح اور سمجھوتے ہی میں بہتری ہے اس لیے کہ میاں اور بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو جانے کے بعد فریقین کی فلاح اسی میں ہوتی ہے کہ یہ قائم ہی رہے اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی ایثار کرنا پڑے۔ فرمایا کہ حرص طبائع کی عام بیماری ہے جو باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ یا تو دونوں فریق ایثار پر آمادہ ہوں اور اگر ایک فریق کا مرض لا علاج ہے تو دوسرا قربانی پر آمادہ ہو۔ غرض رشتۂ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے اگر عورت کو قربانی بھی دینی پڑے تو بہتری اس کے برقرار رہنے ہی میں ہے اس کے بعد وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا الآیہ کے الفاظ سے مرد کو ابھارا ہے کہ ایثار و قربانی اور احسان و تقویٰ کا میدان اصلاً اسی کے شایانِ شان ہے، وہ اپنی فتوت اور مردانگی کی لاج رکھے اور عورت سے لینے والا بننے کی بجائے اس کو دینے والا بنے۔ اللہ ہر ایک کے ہر عمل سے باخبر ہے اور ہر نیکی کا وہ بھرپور صلہ دے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا۔ ۱۲۹-۱۳۰

اب یہ عدل کا مفہوم واضح فرما دیا کہ جس عدل کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو وہ تمہارا اپنا ذہنی تو ہم ہے۔ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ دل کا لگاؤ اور ظاہر کا سلوک دونوں بالکل برابر برابر مطلوب ہے۔ اس وجہ سے یہ بات ناممکن نظر آ رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس معنی میں عدل کا لحاظ تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ اگر تم اس طرح کا عدل کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکو گے۔ دل کا میلان آدمی کے اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ مطلوب جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری بالکل ادھر میں لٹکتی رہ جائے بلکہ سلوک اور حقوق میں توازن قائم رکھنے اور اگر کوئی حق تلفی اور کوتاہی ہو جائے تو اس کی اصلاح اور تلافی کرنے کی کوشش کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ اصلاح اور تقویٰ کی اس کوشش کے باوجود اگر کوئی فروگذاشت ہو گئی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شریعت میں مطلوب تو یہی ہے کہ ازدواجی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ لیکن حالات اگر مجبور ہی کر دیتے ہیں اور دونوں میں علیحدگی ہو ہی جاتی ہے تو بہرحال اصل رزاق اور کارساز میاں اور بیوی دونوں کا اللہ ہے۔ وہ ہر ایک کو اپنے فضل سے مستغنی کرے گا وہ بڑی سمائی رکھنے والا اور حکیم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے میاں اور بیوی دونوں سے ایثار اور کوشش تو مطلوب ہے لیکن یہ غیرت اور خودداری کی حفاظت کے ساتھ مطلوب ہے۔ میاں اور بیوی میں سے کسی کے لیے جس طرح اکڑنا جائز نہیں ہے اسی طرح ایک حد خاص سے زیادہ دبنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگرچہ الفاظ میں عمومیت ہے لیکن سیاق کلام دلیل ہے کہ اس میں عورتوں کی خاص طور پر حوصلہ افزائی ہے کہ وہ حتی الامکان نباہنے کی کوشش تو کریں اور مصالحت کے لیے ایثار بھی کریں لیکن یہ حوصلہ رکھیں کہ اگر کوشش کے باوجود نباہ کی صورت نہ پیدا ہوئی تو رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اپنے خزانہ جود سے ان کو مستغنی کر دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ ۱۳۱-۱۳۴

ان آیات میں دو باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

ایک تو یہ کہ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) بار بار دہرایا گیا ہے۔ دو مرتبہ تو آیت ۱۳۱ ہی میں اور پھر آیت ۱۳۲ میں۔ علاوہ ازیں جہاں سے یہ مضمون چلا ہے یعنی آیت ۱۲۶۔ وہاں بھی بعینہٖ یہی ٹکڑا ہے۔ اس مضمون کا بار بار اعادہ بلا سبب نہیں ہے بلکہ خاتمۂ سورہ کا مزاج اس کا متقاضی ہوا۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ اس خاتمے میں مسلمانوں کو، منافقین کو اور اہل کتاب کو آخری تنبیہ کی گئی ہے کہ جو ہدایات تمہاری رہنمائی کے لیے ضروری تھیں وہ دلائل کی وضاحت کے ساتھ دے دی گئیں، اب ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے، مانو گے تو تمہارا نفع ہے نہ مانو گے تو خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑو گے۔ خدا اس پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے، اس کی حکومت اپنے بل بوتے پر قائم ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ چونکہ پوری کائنات کا مالک ہے اس وجہ سے اس نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی اپنے احکام و حدود سے آگاہ کیا اور اب تمہیں بھی اس سے آگاہ کر دیا کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ اہل کتاب نے نافرمانی کی تو انھوں نے خود اپنی شامت بلائی، خدا کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اسی طرح اگر تم بھی کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ خدا تمہارا محتاج نہیں بلکہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ وہ تمہارے لیے کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کو اس کی احتیاج ہے بلکہ اس لیے کہ وہ حمید ہے، اس کی اس صفت کا تقاضا ہے کہ بے نیاز ہونے کے باوجود ساری خلق کو اپنے جود و کرم سے نوازے۔ ساری کائنات کا مالک ہونے کی وجہ سے وہی سزاوار ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے اور زندگی کی باگ اس کے حوالے کی جائے۔ نافرمانی کی صورت میں اگر وہ چاہے تو سب کو فنا کر دے اور اس دنیا میں دوسری مخلوق لا بسائے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔

دوسری قابل غور چیز آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا الآیۃ میں حذف کا اسلوب ہے۔ ہم پیچھے کسی مقام میں اشارہ کر آئے ہیں کہ عربی میں کلام کے دو متقابل اجزا میں سے بعض اجزا کو اس طرح حذف کر دیتے ہیں کہ مذکور جزو محذوف کی طرف خود اشارہ کر دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کے محذوفات اگر کھول دیے جائیں تو تالیف کلام یہ ہوگی مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ سے پہلے میں سے فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا کو حذف کر دیا اور دوسرے میں سے وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ کو اور اس حذف کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ مذکور ٹکڑے محذوف ٹکڑوں کی نشان دہی خود کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو دنیا ہی کے صلے کا طالب ہوتا ہے تو دنیا کا مالک بھی خدا ہی ہے وہ اس میں سے اس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ اس کو دنیا میں بھی جو چاہتا ہے دیتا ہے اور آخرت کا صلہ بھی بھرپور عطا فرمائے گا۔ یہ ان لوگوں کو تنبیہ و موعظت ہے جو اپنے دنیوی مفادات کی خاطر خدا کی شریعت سے فرار اختیار کر رہے ہوں۔ فرمایا کہ جو صرف دنیا کا طالب بنتا ہے تو بہرحال اس میں سے وہ پاتا اتنا ہی ہے جتنا خدا کو منظور ہوتا ہے اور آخرت سے وہ بالکل محروم ہی رہتا ہے تو آخرت کا طالب کیوں نہ بنے کہ آخرت کا بھرپور صلہ بھی ملے اور دنیا میں سے جو مقدر ہو وہ بھی ملے۔ یہی مضمون بعینہٖ آلِ عمران کی آیات ۱۴۵ اور ۱۴۸ میں بھی گزر چکا ہے۔ اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ اس کے ساتھ سمیع و بصیر کی صفات کے حوالہ سے مقصود اس حقیقت کی یاددہانی ہے کہ خدا نہ کسی کی دعا و فریاد سے بے خبر ہے نہ کسی کی احتیاج اور حالت اس سے مخفی ہے تو آخر انسان اس سے کیوں نہ چاہے اور مانگے، دوسروں سے کیوں آرزومند اور دادخواہ ہو۔

۳۸۔ آگے کا مضمون آیات ۱۳۵-۱۵۲

آگے کا مضمون / آیات ۱۳۵-۱۵۲

آگے پہلے مسلمانوں کو اس فریضۂ منصبی کی یاددہانی فرمائی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو، اہل کتاب کو معزول کر کے، مامور فرمایا ہے۔ پھر منافقین کے خطرات سے ان کو ہوشیار بھی کیا ہے اور منافقین کو تنبیہ بھی کی ہے۔ نظم کلام بالکل واضح ہے۔ آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ
عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا
فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ
تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ

مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ
الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا
فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ
الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ
قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ
سَبِيْلًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ
اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ
الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ
تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا

بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ

اے ایمان والو، حق پر جمے رہو اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے اگرچہ یہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور تمہارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ ہی دونوں کا سب سے زیادہ حق دار ہے تو تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر کج کرو گے یا اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اے ایمان والو، ایمان لاؤ، اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری۔ اور جو اللہ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے گئے اللہ نہ ان کی مغفرت فرمانے والا ہے اور نہ راہ دکھانے والا ہے۔ منافقوں کو خوش خبری دے دو کہ ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ان کے لیے جو مسلمانوں کے مقابل میں کافروں کو دوست بنائے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے ہاں عزت و رسوخ چاہتے ہیں، عزت تو سر اسر اللہ کے لیے ہے۔ ۱۳۵-۱۳۹

اور وہ کتاب میں تم پر ہدایت نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ آیات الٰہی کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو تا آنکہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں ورنہ تم بھی انہی کے مانند ہو جاؤ گے۔ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم

میں جمع کرنے والا ہے۔ ان کو جو تمہارے لیے گردشوں کے منتظر ہیں۔ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی فتح حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کوئی جیت ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تم پر چھائے نہیں رہے اور ہم نے مسلمانوں سے تم کو بچایا نہیں ؟ تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ ۱۴۰-۱۴۱

منافقین خدا سے چالبازی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ چال وہ ان سے چل رہا ہے اور جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو الکساتے ہوئے اٹھتے ہیں محض لوگوں کے دکھانے کے لیے اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ درمیان ہی میں لٹک رہے ہیں، نہ ادھر ہیں نہ ادھر۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ ۱۴۲-۱۴۳

اے ایمان والو، مسلمانوں کے مقابل میں کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرا لو۔ ۱۴۴

منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے اور تم ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ البتہ جو توبہ اور اصلاح کر لیں گے اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑیں گے اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں گے وہ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ ایمان والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ۱۴۵-۱۴۶

خدا کو تمہیں عذاب دینے سے کیا نفع ہے اگر تم شکر گزاری اختیار کرو اور ایمان لاؤ۔ اللہ تو بڑا قبول فرمانے والا اور جاننے والا ہے۔ ۱۴۷

اللہ بد زبانی کو پسند نہیں کرتا مگر یہ کہ کوئی مظلوم ہو۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر تم نیکی کو ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے یا کسی برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ ۱۴۸-۱۴۹

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا کفر کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ

اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ نکالیں، یہی لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ان کو ان کا اجر دے گا اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ۱۵۰-۱۵۲

۲۹- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ ۱۳۵

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ، 'قسط' کے لفظ پر آل عمران کی آیات ۱۸ اور ۲۱ کے تحت بحث گزر چکی ہے۔ اس سے مراد حق و عدل کی وہ میزان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی شکل میں عطا فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمہارا ہر قول و فعل اسی باٹ اور اسی ترازو سے تولا ہوا ہو اور تم اسی پر قائم رہنے والے اور اسی کو قائم کرنے والے ہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ یعنی مجرد اس پر قائم رہنا ہی تمہاری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ تم دنیا کے سامنے اللہ کی طرف سے اس کے داعی اور گواہ بھی ہو۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو وسط شاہراہ پر قائم رہنے والی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دے)

'وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ' یعنی یہ میزان عدل صرف لینے ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ دینے کے لیے بھی ہے۔ اگر اس کا فیصلہ کسی معاملے میں تمہارے، تمہارے والدین کے اور تمہارے اقربا کے خلاف ہو جب بھی تمہیں اسی پر قائم رہنا اور اسی کی گواہی دینا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہود کو جو کتاب دی گئی تو وہ اس کی ان باتوں کو تو مانتے

تھے جن کو اپنی خواہشوں کے مطابق پاتے تھے لیکن جو باتیں ان کی خواہشوں کے خلاف پڑتیں ان سے کنی کاٹ جاتے۔

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا یعنی یہ جائز نہیں ہے کہ امیر کے لیے اور باٹ ہو، غریب کے لیے اور باٹ ہے، قوی اور بااثر کے لیے الگ قانون و شریعت ہو، کمزور و بے اثر کے لیے الگ حکم و فتویٰ بلکہ سب کو اللہ کے ایک ہی قانونِ عدل کے تحت ہونا چاہیے اس لیے کہ اللہ کا حق سب پر یکساں قائم ہے اور یہ حق دوسرے تمام حقوق سے بڑا ہے۔ اگر کوئی شخص امیر اور بااثر ہے تو اس وجہ سے وہ خدا کے حق سے بری الذمہ نہیں ہو جاتا کہ وہ خدا کے قانون کی ذمہ داریوں سے بری کر دیا جائے اور اس کے ساتھ کسی اور قانون کے تحت معاملہ کیا جائے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے حضورؐ کے اس ارشاد کو سامنے رکھیے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

> 'جب ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی تو اس کے معاملے کی قریش کو بڑی فکر ہوئی۔ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس کی جرأت صرف اسامہ بن زیدؓ کر سکتے ہیں اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے کہنے پر اسامہؓ نے حضورؐ سے اس کی سفارش کی۔ حضورؐ نے فرمایا، اسامہ، تم اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے ایک حد کے معاملے میں سفارش کرنے آئے ہو! پھر آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا، لوگو، تم سے پہلے قوموں کو اسی چیز نے تباہ کیا کہ ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرنے کا۔ میں تو اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (متفق علیہ)

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا، ھوٰی، ھدی اللہ کی ضد ہے یعنی اگر تم نے اللہ کی اس ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں اور بدعتوں کی پیروی کی تو تم اس 'قسط' سے ہٹ جاؤ گے جس پر اللہ تعالیٰ نے تم کو قائم کیا ہے اور جس کی دعوت اور شہادت پر تم مامور کیے گئے ہو۔

وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا' اس میں اس نظامِ قسط کو بگاڑنے کی دو شکلوں کی طرف اشارہ ہُوا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کو کج کرنے، بگاڑنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ یہود نے کیا اور جس کا ذکر آلِ عمران کی آیت ۷۸ یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ الآیۃ میں ہُوا ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ اس کو بگاڑنے کی کوشش تو نہ کی جائے، اس کی شکل باقی رہے لیکن زندگی کے معاملات میں اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ فرمایا کہ ان میں سے جو ظلم بھی کرو گے خدا اس سے بے خبر نہیں رہے گا اور جب بے خبر نہیں رہے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس جرمِ عظیم کی سزا دیے بغیر بھی نہ چھوڑے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۱۳۶

'يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا' ہم دوسرے مقام پر زبان کا یہ اسلوب واضح کر چکے ہیں کہ فعل اپنے ابتدائی اور ظاہری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اپنے حقیقی اور کامل معنی میں بھی۔ یہاں مسلمان من حیث الجماعت مخاطب ہیں جن میں خام و پختہ، ناقص و کامل اور مخلص و منافق ہر قسم کے عناصر شامل تھے۔ ان سب کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو سچے اور پکے مومن بن جاؤ۔ گویا خطاب تو عام ہے لیکن روئے سخن خام کاروں اور مدعیوں کی طرف ہے۔

'وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ' میں کتاب سے مراد تورات ہے۔ واحد سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے اصل کتابِ الٰہی کی حیثیت درحقیقت تورات ہی کو حاصل ہے، دوسرے انبیاء کے صحیفوں کی حیثیت مستقل بالذات صحیفوں کی نہیں ہے اس لیے کہ ان انبیاء میں سے سب تورات ہی کے داعی بن کر آئے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح بھی درحقیقت تورات ہی کو قائم کرنے کے لیے آئے تھے۔ ان انبیاء کے صحیفوں میں جو تعلیم ہے وہ تورات سے کوئی الگ شے نہیں بلکہ اسی کے احیاء و تجدید کی دعوت اور اسی کے حِکَم و اسرار کا اظہار و بیان ہے۔ اس وجہ سے باعتبارِ حقیقت تو ایک ہی کتاب ہے لیکن ظاہر کا لحاظ کیا جائے تو جمع بھی قرار دے سکتے ہیں۔ قرآن نے دونوں طرح سے ذکر کیا ہے اور اس سے مقصود اصل حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے تاکہ ظاہری تعدد کو جن نادانوں نے

تفریق بین الرسل کا ذریعہ بنایا ان کو اپنی حماقت پر تنبہ ہو۔

یہاں 'نَزَّلَ' اور 'اَنْزَلَ' کا فرق بھی قابلِ توجہ ہے۔ جو لوگ عربی زبان کی باریکیوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ 'اَنْزَلَ' کا مفہوم تو مجرد اتار دینا ہے۔ لیکن 'نَزَّلَ' کے اندر اہتمام اور تدریج کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ لفظوں کا یہ فرق تورات اور قرآن دونوں کے اتارے جانے کی نوعیت کو واضح کر رہا ہے۔ یہاں یہ اشارہ کافی ہے کسی موزوں محل میں ہم اس پر وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

اس آیت میں ایمان کے جو اجزا مذکور ہوئے ہیں ان سب پر تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت اوپر کی آیت کے مضمون اور آگے کی آیات کے مضمون کے درمیان بیچ کی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک طرف تو یہ اس کلمۂ جامع کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو امتِ وسط اور قائم بالقسط امت کا کلمہ ہے یعنی بلا تفریق تمام انبیاء و رسل اور تمام آسمانی صحیفوں پر ایمان جو اس بات کی شہادت ہے کہ یہ امت عدل و قسط پر قائم ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح تعصب و تحزب کے جنون میں مبتلا ہو کر اس نے حق و عدل کی شاہراہ کو نہیں چھوڑا۔ دوسری طرف یہ ان منافقین کے ذکر کی تمہید ہے جو یا تو خود یہود میں سے تھے یا درپردہ ان کے زیرِ اثر تھے اس وجہ سے بعینہٖ انہی گمراہیوں میں مبتلا تھے جو یہود کا ورثہ تھیں چنانچہ بعد کی آیات سے اس حقیقت کا پوری طرح انکشاف ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۱۳۷-۱۳۸

اہلِ ایمان کا صحیح موقف اور مقام واضح کرنے کے بعد منافقین کی طرف توجہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر ہی میں بڑھتے گئے، یہ خدا کی مغفرت اور ہدایت کے سزاوار نہیں ہیں، ان منافقین کو خدا کے دردناک عذاب کی بشارت پہنچا دو۔ یہ بات کہ یہاں ذکر منافقین ہی کا ہے خود قرآن کی ان آیات ہی سے واضح ہے۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ کے الفاظ سے خود یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ کن لوگوں کا کردار بیان ہُوا ہے۔ البتہ یہ سوال قابلِ غور ہے کہ یہ ایمان پھر کفر، پھر ایمان، پھر کفر کی حالت

جو ان کی بیان ہوئی ہے یہ محض ان کے تذبذب کی ایک تصویر ہے یا بیان واقعہ ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بیان واقعہ ہے۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، یہ ہے کہ یہ منافقین زیادہ تر اہل کتاب بالخصوص یہود میں سے تھے اور انہی کے زیر اثر بھی تھے۔ اس پہلو سے دیکھیے تو ان کے ایمان و کفر کا ایک کھیل تو وہ ہے جو وہ تورات کے ساتھ پہلے کھیل چکے ہیں اور دوسرا کھیل یہ ہے جو وہ اسلام کے ساتھ کھیل رہے ہیں کہ پہلے آگے بڑھ کر اس کے ماننے کا اقرار کیا اور اب رات دن اس کے خلاف سازشیں کرنے کے درپے ہیں۔ فرمایا کہ اب ان کو خدا نہ تو بخشنے کا ہے نہ ان کو کوئی اور راہ دکھانے کا ہے۔ کوئی اور راہ دکھانے سے مطلب یہ ہے کہ اب ان پر حجت تمام ہو چکی ہے، اب ان کے مزید امتحان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب ان کے لیے صرف جہنم کی راہ باقی رہ گئی ہے۔ آگے اس مضمون کو اس طرح واضح فرمایا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ ۱۶۷-۱۶۸ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے، اللہ نہ تو ان کو بخشنے کا ہے اور نہ کوئی اور راستہ ان کو دکھانے کا ہے بجز جہنم کے راستے کے) اسی مضمون کو یہاں بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا سے تعبیر فرمایا ہے۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۱۳۹-۱۴۰

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ ۔ میں حوالہ ہے سورۂ انعام کی آیت ۶۸ کا۔ وہاں فرمایا ہے۔ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (اور جب تم ان کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بحثیاں کر رہے ہیں تو ان سے اعراض کرو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تمہیں شیطان یہ بات فراموش کرا دے تو یاد آنے کے بعد ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھو) پھر اسی مضمون کو

اسی انعام کی آیت ۷۰ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ۔ الآیہ۔ یہ منافقین کی صفت بیان ہوئی ہے کہ یہ مسلمانوں کے بالمقابل کفار یعنی یہود کو اپنا دوست اور کارساز بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں عزت و سرخروئی حاصل کرنے کے آرزومند ہیں حالانکہ عزت و ذلت سب خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ ان کی مجالس میں حاضری دیتے ہیں جہاں اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں یہ صریح ہدایت نازل ہو چکی ہے کہ جب دیکھو کہ اللہ کی آیات کا کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ یہ مذاق اڑانے والے کسی اور بات میں لگ جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو یہ بھی انھیں کا ساتھی بن جاتا ہے اس لیے اللہ ایسے منافقوں کو انہی کافروں کے ساتھ دوزخ میں جمع کرے گا۔

جن مجلسوں میں اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا تمسخر ہو ان میں اگر کوئی مسلمان شریک ہو تو یہ اس کی بے حمیتی اور بے غیرتی کی دلیل ہے اور اگر کوئی شخص ان میں شرکت کو اپنے لیے وجہ عزت و شرف سمجھے تو یہ صرف بے حمیتی ہی کی نہیں بلکہ اس کے مسلوب الایمان ہونے کی دلیل ہے۔ اس قسم کے منافقوں کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ خدا کے دین کے استہزا میں یہ شریک رہے ہیں۔ اس آیت سے دعوتِ دین کے بعض اہم اصول بھی نکلتے ہیں لیکن ان پر گفتگو کے لیے موزوں مقام سورۂ انعام میں آئے گا۔

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۱۴۱

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِ ۔ کے معنی ہیں تَحَاطَ بِهِ ۔ غلبه، استولی علیه اس کو گھیرے میں لے لیا۔ اس پر غالب آگیا۔ نر مادہ کو جب اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے، کسی دوسرے نر کو اس کی طرف بڑھنے نہیں دیتا تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ ، یعنی يَتَرَبَّصُونَ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۔ تمہارے لیے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں۔

یہ انہی منافقین کے کردار کی مزید تفصیل ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت بدخواہ ہیں۔ یہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تمھیں کوئی افتاد پیش آئے، کوئی ٹھوکر لگے اور تم شکست کھاؤ۔ اگر تمھیں فتح حاصل ہو تو کہیں گے کہ کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کہیں دشمن کا پلہ بھاری ہو جائے تو ان کے پاس پہنچیں گے اور ان کو یقین دلائیں گے کہ یہ تو ہماری تدبیر تھی کہ تم مسلمانوں سے محفوظ رہے۔ ہم اس طرح تمھیں بچائے رہے کہ مسلمان تم پر کھل کر حملہ نہ کر سکے اور ان کا پورا داؤ تم پر نہ چل سکا۔ فرمایا کہ آج یہ ان سخن سازیوں سے کام چلا رہے ہیں لیکن ایک دن آئے گا کہ سارے حالات بے نقاب ہو جائیں گے، اس دن خدا تمھارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور تمھارے مقابل میں ان کی کچھ پیش نہ جائے گی۔ اس دن یہ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کا دعویٰ نہ کر سکیں گے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۱۴۲-۱۴۳

'يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ' کے ہر پہلو پر پوری تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی آیت ۹ کے تحت بحث گزر چکی ہے۔

'مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ' 'ذَبْذَبَ الشَّيْءُ' کے معنی ہیں، چیز فضا میں لٹکی ہوئی حرکت کر رہی ہے۔ 'ذَبْذَبَ الرَّجُلُ' کے معنی ہیں آدمی حیران و متردد ہے۔ 'بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ' یعنی نہ مسلمانوں کے ساتھ نہ کفار کے ساتھ دونوں کے بیچ میں حیران و درماندہ کبھی مسلمانوں کے پاس جا کر ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، کبھی کفار کے پاس پہنچ کر ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں حالانکہ ساتھ کسی کے بھی نہیں۔ دو گلوں کے بیچ میں بھٹکنے والی بکری کے مانند کبھی اس گلے میں شامل ہو جاتے ہیں کبھی دوسرے گلے میں۔ یہ ملحوظ رہے کہ کُسَالَىٰ، يُرَاءُونَ اور مُّذَبْذَبِينَ تینوں حال پڑے ہوئے ہیں، ان تینوں کو بیک وقت چشمِ تصور کے سامنے لائیے تب صحیح تصویر سامنے آئے گی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین صرف اللہ کے بندوں ہی کو دھوکا نہیں دے رہے ہیں

بلکہ خود خدا کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ جو خدا کو دھوکا دینا چاہتا ہے وہ خدا کو دھوکا نہیں دیتا بلکہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے اس لیے کہ خدا اس کی رسی دراز کر دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے خدا کو دھوکا دے دیا ہے حالانکہ دھوکا اس نے خدا سے کھایا۔ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ الآیہ ان کی اس دھوکا بازی کی مثال ہے یعنی نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو طبیعت پر جبر کر کے، الکسائے ہوئے، مارے باندھے محض اس ڈر سے اٹھتے ہیں کہ اگر شریکِ جماعت نہ ہوئے تو مسلمانوں کے رجسٹر سے نام ہی خارج ہو جائے گا۔ یہ محض دکھاوے کی نماز ہوتی ہے کہ مسلمان ان کو اپنے اندر شامل سمجھیں اس وجہ سے اس میں اللہ کا ذکر اتنا ہی ہوتا ہے جتنا مجبوری اور دکھاوے کی نماز میں ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ صریح دھوکا بازی ہے۔ فرمایا یہ خدا کے راندے ہوئے ہیں، اس نے ان کو بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور جن کو خدا نے بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہو اب ان کو راہ پر کون لا سکتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اس دور میں مسجد کی حاضری ایمان اور کفر کے درمیان ایک علامتِ فارق کی حیثیت رکھتی تھی۔ جو شخص بلا کسی عذرِ معلوم کے مسجد سے غیر حاضر رہتا اس کے لیے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرانا ہی ناممکن ہو جاتا۔ یا یہ دور تھا یا اب یہ دور آیا ہے کہ مسجد اور جماعت کی حاضری تو درکنار رہے سے نماز پڑھنا ہی مسلمان سمجھے جانے بلکہ مسلمانوں کا لیڈر مانے جانے کے لیے بھی ضروری نہیں ہے۔ یا للعجب!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۱۴۴

'الکافرین' اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ مراد اس سے وہی اہلِ کتاب ہیں جن سے منافقین کا ساز باز تھا۔

'من دون المومنین' کی قید اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ کفار کو دوست اور حلیف بنانا اسی حالت میں ممنوع ہے جب یہ مسلمانوں کے بالمقابل ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

'سُلْطَانًا مُّبِينًا' واضح اور قطعی حجت۔

خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن منافقین ہی کی طرف ہے کہ مسلمانوں کے بالمقابل

کفار کو اپنا دوست اور ساتھی نہ بناؤ۔ یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کر کے تم اپنے خلاف اللہ کو ایک ایسی حجت قاطع دے دوگے کہ پھر تمہارے لیے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔ تمہارا کفر بالکل قطعی اور تمہارا سزاوارِ دوزخ ہونا بالکل برحق ہو جائے گا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ ۱۴۵ - ۱۴۷

الدرک الاسفل

'الدرک الاسفل'، 'درک' کے معنی 'اقصی قعر الشئ' یعنی کسی شے کا سب سے نچلا حصہ۔

دین بمعنی اطاعت

'وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ' 'لفظ دین' کے مختلف معانی پر ہم کہیں بحث کر چکے ہیں۔ ازاں جملہ اس کے معنی اطاعت کے بھی ہیں۔ مثلاً قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (۱۱۔ زمر) (کہہ دو مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں اس کی مخلصانہ اطاعت کے ساتھ)

منافقین کا درجہ کفار سے بھی نیچے

یہ منافقین کو آخری تنبیہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ کفر صریح کے بالمقابل ان کا یہ مذبذب ایمان بھی تو بہر حال کچھ قیمت رکھتا ہی ہے۔ فرمایا کہ نہیں، یہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے یعنی ان کا درجہ کٹر اور معاند کفار کے درجے سے بھی نیچے ہے۔ توبہ کے سوا کوئی چیز بھی ان کو اس انجام سے نہیں بچا سکتی۔ اور اس توبہ کے لیے اصلاح، اعتصام باللہ اور اخلاص کی شرط ہے۔ اصلاح یعنی اپنے رویے کی اصلاح کریں، اعتصام یعنی اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں، اخلاص یعنی اللہ و رسول کی مخلصانہ اطاعت کریں بغیر کسی تذبذب اور ریا کے۔ فرمایا کہ تب یہ آخرت میں مسلمانوں کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ اور یہ اطمینان رکھیں کہ اللہ کے ہاں اہل ایمان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اس کے بعد خود ان منافقین کو مخاطب کر کے، باندازِ التفات فرمایا کہ خدا کو تمہیں عذاب دینے میں کوئی نفع نہیں ہے۔ اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان اختیار کرو تو اللہ بڑا قدر دان اور ہر ایک کے ایمان و عمل سے اچھی طرح باخبر ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ فلسفۂ دین کے اعتبار سے شکر ہی سچے ایمان کا سرچشمہ ہے۔ نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ بعض مرتبہ نسبت کے بدل جانے سے الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ شکر کی نسبت جب خدا کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی قبول کرنے کے ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں باتوں پر دوسرے مقام میں بحث گزر چکی ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَــهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِــيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ ۱۴۸ - ۱۴۹

یہ مسلمانوں کو اسی طرح کی ایک تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ آیت ۸۶ میں گزر چکی ہے جس طرح وہاں منافقین سے جب اعراض کا حکم ہوا تو ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ جو تمہیں سلام کرے تم اس کے سلام کا جواب دو اور مقصود اس سے یہ تھا کہ مبادا پرجوش مسلمان ان لوگوں سے سلام کلام ہی بند کر دیں جن پر ان کو منافقت کا شبہ ہو جائے اسی طرح یہاں اوپر والی آیات میں منافقین کے لیے چونکہ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ تک کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ مسلمان علانیہ سخت الفاظ میں منافقین کی برائیوں کا اظہار و اعلان شروع کر دیں گے اس وجہ سے یہ ہدایت کر دی گئی کہ تعیین اشخاص کے ساتھ برائی کا اظہار صرف مظلوم کے لیے جائز ہے، دوسروں کے لیے اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

یہ بات چونکہ جماعتی زندگی کے نہایت اہم مسائل میں سے ہے اس وجہ سے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

جماعتی زندگی میں کسی گروہ کے اندر اگر کوئی ایسی برائی جڑ پکڑ رہی ہو یا پکڑ چکی ہو جو پوری جماعت کے لیے خطرہ بن سکتی ہو تو اس کا تدارک ضروری ہوتا ہے اور اس تدارک کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس برائی کی قباحت و شناعت، اس کے نتائج بد اور اس کے مرتکبین کے انجام کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے تاکہ جماعت کے افراد اس کے شر سے محفوظ رہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ جماعت کے عام افراد، عام صیغہ سے کہی ہوئی بات کو مجرد اپنے اندازے، قیاس اور گمان کی بنا پر معین اشخاص پر منطبق کرنا نہ شروع کر دیں ورنہ اس سے نہ صرف اس بات کا اندیشہ ہے کہ بہت سے بےگناہ

اشخاص تہمتوں کے ہدف بن جائیں گے بلکہ جماعت میں انتشار و فساد پیدا ہو جانے کا خطرہ بھی ہے۔ یہاں منافقین سے متعلق جو باتیں بیان ہوئی ہیں، دیکھ لیجیے، بالکل عام صیغے سے بیان ہوئی ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جو لوگ یہ حرکتیں کر رہے ہیں وہ اگر اپنی اصلاح کرنا چاہیں تو اصلاح کرلیں اور اگر وہ اصلاح نہ کریں تو کم از کم مسلمان اپنے آپ کو ان فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ اس حد تک یہ چیز نہ صرف یہ کہ ٹھیک ہے بلکہ جماعتی بقا کے لیے ناگزیر ہے لیکن اگر یہی چیز یہ شکل اختیار کرلے کہ اس کو دلیل بنا کر عام افراد تعین کے ساتھ ایک دوسرے کو ہدف مطاعن بنانا شروع کر دیں کہ تو منافق ہے، تو کافر ہو گیا اور فلاں فِی الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کا سزاوار ہے تو پوری جماعت میں ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ اس فتنے کے سدباب کے لیے یہ ہدایت فرما دی گئی کہ تعین اشخاص کے ساتھ برائی کا اظہار و اعلان صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جس پر خصّا ظلم ہوا ہے۔ اس صورت میں ظلم، ظالم اور مظلوم تینوں متعین ہوں گے اور قانون اس کا مداوا کر سکے گا۔ جب تک یہ شکل نہ ہو بات عام صیغے ہی سے کہنی چاہیے جس طرح قرآن نے کہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی جب اس طرح کی کوئی برائی آتی تھی تو آپ ہمیشہ عام صیغے ہی سے اس پر لوگوں کو ملامت فرماتے تھے۔ آپ کا عام انداز کلام یہ ہوتا تھا مَا بَالُ قَوْمٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اس اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ البتہ جب کوئی متعین شخص کسی متعین جرم کے ساتھ سامنے آتا تھا تو اس پر قانون کے مطابق گرفت فرماتے تھے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا بطور تنبیہ ہے یعنی کوئی شخص اگر اس ہدایت کے خلاف روش اختیار کرے گا تو وہ یاد رکھے کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ہم ایک سے زیادہ مقامات پر یہ اصول بیان کر چکے ہیں کہ اس طرح جب صفاتِ الٰہی کا حوالہ آتا ہے تو مقصود اس سے ان کا لازم ہوتا ہے یعنی جب خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے تو اس پر وہ ضرور گرفت فرمائے گا۔ (صفاتِ الٰہی کے حوالہ سے مقصود ان کا لازم ہے)

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا الآیۃ خدا کو جو روش ناپسند ہے اس کو بیان فرمانے کے بعد یہ پسندیدہ روش کا بیان ہے۔ فرمایا کہ پسندیدہ روش یہ ہے کہ آدمی اچھی بات کا اظہار کرے، اچھا جذبہ دل میں پرورش کرے اور دوسروں کی برائیوں سے درگزر کرے۔ اس کے بعد اپنی دو صفتوں — عفو اور قدیر — کا حوالہ دیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ خدا ہر (پسندیدہ روش کا بیان)

طرح کی قدرت رکھنے کے باوجود لوگوں کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اس وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ اس کی ان صفات کا عکس اس کے بندوں کے اندر بھی پایا جائے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ عفو کہتے ہی اس درگزر کو ہیں جو قدرت کے ساتھ پایا جائے۔ آدمی طاقت رکھتا ہو کہ وہ کسی کو ترکی بہ ترکی جواب دے سکے لیکن اس کے باوجود وہ درگزر کر جائے تو یہ عفو ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۵۰-۱۵۲

ان آیات میں اہل کتاب کی جو فرد قرارداد جرم بیان ہوئی ہے اس کے ہر جزو پر مفصل بحث پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے البتہ ان کا موقع و محل وضاحت طلب ہے۔ اوپر آیت ۱۴۴ کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ میں کافرین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اگرچہ اہل کتاب کا کفر بالکل واضح ہے لیکن حیلہ جو طبیعتیں جو ان سے ساز باز رکھنا چاہتی تھیں اور اپنے روابط ان سے کاٹنے کے لیے تیار نہ تھیں وہ اپنے اس رویے کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ حیلہ شرعی تراشتی تھیں کہ اہل کتاب بہرحال اہل کتاب ہیں، ان کے اندر دین کے نقطۂ نظر سے کچھ خرابیاں ہو سکتی ہیں اور ہیں لیکن ان خرابیوں کی بنا پر ان کو بالکل کفار کی صف میں کھڑا کر دینا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔ قرآن نے ان حیلہ بازوں کے اس فریب کا ان آیات میں پردہ چاک کیا ہے اور نہایت صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ پکے کافر تو درحقیقت یہ اہل کتاب ہی ہیں اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ جن کو خدا نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے ان میں سے جس کو چاہتے ہیں مانتے ہیں جس کو چاہتے ہیں نہیں مانتے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا پر ایمان اپنے شرائط پر لانا چاہتے ہیں نہ کہ خدا کے شرائط پر، حالانکہ ایمان صرف وہ معتبر ہے جو خدا کے شرائط پر ہو۔ اگر ایمان کی شرطیں یہی مقرر کریں گے اور رسولوں کا انتخاب یہ اپنی ہی صواب دید پر کریں گے تو پھر خدا کی خدائی کہاں رہی، پھر تو خدا کا منصب انھوں نے خود ہی سنبھال لیا۔ فرمایا کہ ان کے کافر ہونے میں ذرا شبہ نہیں اور ایسے برخود غلط اور مغرور کافروں کے لیے ہم نے رسوا کرنے والا

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مومن صرف وہ لوگ شمار ہوں گے جو اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے، ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، یہ لوگ بے شک اپنا اجر پائیں گے، خدا غفور رحیم ہے۔

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی شخص صریح لفظوں میں خدا اور رسولوں کا انکار کرے بلکہ یہ بھی کفر اور صریح کفر ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کو تو مانے لیکن اپنی شرائط پر۔

تدبر قرآن جلد اول کا ہدیہ موصول ہونے پر

(۱) مولانا عبدالماجد دریابادی، مدیر "صدق جدید" لکھنؤ

- برادرم! السلام علیکم ـــ ہدیۂ اخلاص ـــ تدبر قرآن کی شکل میں ابھی چند منٹ ہوئے موصول ہوا۔ ماہ رمضان کا بہترین تحفہ! حسن معنوی سے تو کتاب مزین ہوتی ہی، محاسن ظاہری میں بھی کچھ کم نہیں ـــ ماشاء اللہ ـــ والسلام۔ دعاگو و دعا جو: عبدالماجد۔

(۲) ـــ حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری خطیب جامع اہلحدیث، سرگودھا۔

- عزیز مکرم مولانا محی الدین سلفی کی وساطت سے "تدبر قرآن" کی پہلی جلد موصول ہوئی۔ اس عطیۂ ثمینہ اور ہدیۂ مخلصانہ کے لئے دل کی گہرائی سے شکرگزار ہوں اور انشاء اللہ اس کا حق ادا ہوگا، یعنی اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا جائیگا۔ اور اسے باقاعدہ مطالعہ میں رکھا جائے گا۔

دور حاضر میں قرآن مجید پر جو اردو میں کام ہوا ہے ان میں ...... اور ...... کا خاصا شہرہ ہے لیکن اس عاجز کی رائے میں قرآن پاک کا نفس مطلب سمجھنے کیلئے تدبر قرآن کا مطالعہ ان سے کہیں زیادہ مفید ہے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ مصنف تدبر قرآن کا ذہن سیاسی آلائش سے قریباً پاک ہے اور قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے سیاست کے وقتی تصورات سے گزر کر نزول قرآن کے زمانہ کے رجحانات اور قرآن کے پہلے مخاطبین کے دینی، سیاسی اور معاشرتی تصورات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

خدا تعالیٰ مصنف اور ناشر کو اس کی بہترین جزا سے نوازے، ان کی اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت عامہ حاصل ہو اور دونوں حضرات نے جس اہم کام کا آغاز کیا ہے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت عطا فرمائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

حافظ کمیرپوری
سرگودھا

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

عقائد پر قرآن سے استدلال

لوگوں کے مابین مسائل میں اختلاف ہوجانا بالکل فطری ہے۔ جس طرح ہم مختلف شکلیں رکھتے ہوئے بھی سب انسان ہیں اسی طرح فطری اختلاف کے باوجود بھی ہم دین کے معاملے میں متحد رہ سکتے ہیں۔ لیکن ایک طرف تو بعض دین میں میخ نکالنے والے لوگوں نے اس اختلاف کو باہم دشمنی کی حد پر لا پہنچایا ہے اور دوسری طرف عقائد میں نئے نئے مسائل شامل کر دیئے گئے ہیں جس کے نتیجے میں دشمنی کی یہ خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صرف ان عقائد کو اصل قرار دیا جائے جو قرآن سے بالتصریح ثابت ہوتے ہیں۔

عقائد کی بحث میں چند باتیں اصول کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً:

(۱) عقائد نری علمی اہمیت کی چیز نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر گمان کیا جاتا ہے، بلکہ یہ ارادے کے ذیل کی چیز ہے اور محبت و نفرت کا انحصار ان پر ہوتا ہے۔

(۲) عقائد ظنی نہیں ہیں اس لئے ان کے معاملے میں صرف نص صحیح اور عقل صریح کی رہنمائی ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے عقائد کو ایک شخص کے لئے اسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جتنا وہ بصیرت و یقین رکھتے ہوئے برداشت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہؓ میں مسائل بہت کم تھے کیونکہ صحابہ کرامؓ اسی چیز کا اعتقاد رکھتے تھے جس کا انہیں علم ہوتا اور جس کی وہ تصدیق کرتے۔ جب دلوں کا فساد زیادہ ہو گیا، تقویٰ کم رہ گیا، اور عقلی مناظرہ بازی کا دور دورہ ہو گیا تو مسائل بھی زیادہ پیدا ہو گئے۔

(۳) عقائد میں زبان درازی کا مطلب ہے لاعلمی کے باوجود خدا پر بہتان لگانا اور یہ ایک ایسی حرکت ہے جس کی شناعت ظاہر ہے اور خود قرآن اس پر دلیل ہے۔ یوں بھی دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر الٰہیات کی تفصیل تک عقل کی کچھ رسائی ہوتی تو یقیناً رسولوں کی ضرورت نہ تھی۔ الٰہیات کا معاملہ تو دور کا ہے، اگر عقل خدا کے دیے ہوئے نور ہدایت سے منور نہ ہو تو عموماً یہ تمدنی امور کی تفصیلات میں بھی ٹھوکر کھا جاتی ہے۔ لہٰذا عقائد کے بابت اسی چیز کو کافی سمجھنا چاہئے جو کتاب و سنت سے بالتصریح ثابت ہے۔ وہی دین فطرت اسلام کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد بھی عقل کی جولانیوں کے لئے ایک وسیع میدان موجود ہوتا ہے مثلاً یہ کہ وہ بصیرت، نور اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے وہ دلائل تلاش کرے جو اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی اور کائنات

کے مشابہ ہے میں رکھے ہیں سو دوسرے وہ متشابہ کو محکم امور پر قیاس کرے اور گمان کو چھوڑ کر یقین کی بنیاد پر فیصلہ کرے حقیقی مراد کو متعین کرنے کی کوشش کرے جیسے وہ مختلف امور کو ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت سے تاکہ اختلاف باقی نہ رہ جائے۔ اس طرح گویا نقل کے معاملے میں عقل معطل نہیں ہوتی بلکہ نقل کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

(۴) ہم دیکھتے ہیں کہ عقائد میں بہت بڑا اختلاف رونما ہوا ہے یہاں تک کہ امت مخالف فرقوں میں بٹ گئی جنھوں نے ایک دوسرے کی سخت مخالفت کی اور ایک دوسرے کو کافر ٹھہرایا مگر یہ سارا ہیجان مسائل میں دخل دینے کے نتیجے میں ظاہر ہوا جن تک رسائی حاصل کرنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ ہی نہ تھا چنانچہ انھوں نے غیر ثابت شدہ امور کو اچھالا اور بعض نصوص سے وہ نتیجے نکالے جو دوسرے نصوص کے سراسر مخالف تھے۔ حالانکہ دین کو اس طرح آپس میں ٹکرانے سے منع کیا گیا ہے صحیح راستہ یہ ہے کہ نص جس حد پر ختم ہوتی ہے آدمی بھی اسی حد پر رک جائے اور عقیدہ اور دلائل دونوں میں محکم کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ مثال کے طور پر رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ کو لیجئے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام ۱۰۳) نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے

اس آیت سے ایک گروہ نے یہ سمجھا کہ رویت الٰہی ناممکن ہے دوسری طرف صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مومن قیامت کے دن خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا اسلوب بھی کچھ ایسا ہے کہ اس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے چنانچہ کافروں کی بدبختی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (تطفیف ۱۵) ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے پروردگار سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔

ان نصوص کی روشنی میں ایک گروہ نے یہ سمجھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور سورہ انعام کی مذکورہ آیت دنیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہاں تک تو اختلاف فطری تھا مگر اس کے بعد دونوں گروہوں نے عقلی و نقلی دلائل کا سہارا لیا اور بالآخر ان میں ایسی ٹھن گئی جس سے دین کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ کا مسلک یہ ہے کہ ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ کتاب و سنت ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔ گویا رویت الٰہی کے بارے میں بھی صحیح عقیدہ یہ ہے کہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتیں لیکن اس کے باوجود قیامت کے دن مومنین بغیر کسی اوٹ کے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی تناقض نہیں۔ اور یہی طرز عمل ہر آدمی کو اختلافی مسئلے میں رکھنا چاہئے۔

معرفتِ رب کے بارے میں قرآن کا استدلال

معرفت رب کے بارے میں صحیح عقیدہ دینے کے لئے قرآن مجید نے مندرجہ ذیل چار طریقوں سے استدلال کیا ہے جن کو ہم ترتیب وار بیان کریں گے۔

۱۔ قرآن کا پہلا طریقہ نام رکھنے کا ہے جو سب سے زیادہ واضح اور دلنشین ہے اور اعتقاد کے لئے یہ سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نام اپنے مسمّیٰ کے لئے خاص اور اس پر سب سے زیادہ دلیل ہوتا ہے۔ نام رکھنے کا طریقہ لوگوں کی عام عادت کے مطابق تو ہے ہی مگر عرب خاص طور پر اس معاملے میں تمام قوموں سے زیادہ صاحب ذوق تھے۔ نام مسمّیٰ پر دلیل ہوتا تھا اور اگر ایک شخص کسی کو اس کے صحیح نام سے پہچان لیتا تو وہ اصل شے کو بھی پہچان لیتا۔

۲۔ قرآن کا معرفت رب پر استدلال کا دوسرا طریقہ صفت سے موصوف کرنے کا ہے لیکن یہ پہلے طریقے کی نسبت کم تر درجے کا ہے۔ کیونکہ ایک شے کا اگر کوئی نام نہ ہو جب بھی اس کو کسی صفت سے موصوف کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ استدلال کا تیسرا طریقہ افعال کی نسبت کا ہے اور یہ پہلے دونوں طریقوں سے زیادہ کمزور نوعیت کا ہے کیونکہ افعال کسی شے کی طرف محض مجازی طور پر بھی منسوب کئے جاسکتے ہیں۔

۴۔ قرآن سے استدلال کے لئے چوتھا طریقہ نظم قرآن کی روشنی میں دلائل حاصل کرنے کا ہے اور یہ بہت ہی لطیف ہے۔ البتہ غور و تدبر کرنے والوں کے لئے یہ طریقہ سب سے زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ جب ایک کلام کسی دوسرے کلام کے ساتھ ملایا جائے تو یہ متعدد امور پر دلیل ہوتا ہے۔

قرآن مجید سے استدلال کے یہ چار طریقے ہیں ان میں نظم قرآن کو اگرچہ ہم نے سب سے آخر میں رکھا ہے لیکن یہ اس لئے نہیں کہ یہ دوسروں کی نسبت کمزور طریقہ ہے بلکہ اس لئے کہ یہ دوسروں کی نسبت زیادہ دقیق ہے۔ اسی طرح اول الذکر طریقہ اگرچہ سب سے زیادہ مضبوط ہے لیکن اسماء کی شرح غور و فکر اور مفہوم و معانی کی محتاج ہوتی ہے اور اس کی طرف دوسرے تین طریقوں ہی کے ذریعے رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن سے عقائد پر استدلال کے یہی چار طریقے ہیں جن کو آئندہ سطور میں ہم زیادہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

معرفت رب اسماء سے

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل ۱۱۰) کہہ دے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام بھی پکارو اچھے نام اسی کے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رحمان خدائے تعالیٰ کے ناموں میں سے خاص نام ہیں جن کو نام کی حیثیت سے استعمال کر کے ہم اس کو پکار سکتے ہیں۔ یہی بات ہمیں کلام عرب سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ عرب ان ناموں کو اللہ کے سوا کسی کے لئے استعمال نہ کرتے تھے۔

دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (حشر ۲۲-۲۴)	یہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ وہی رحمان و رحیم ہے۔ یہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ، پاکیزہ، سلامتی، امن دینے والا، محافظ، غالب دسترس سے باہر اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ اللہ ہی ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا اور تصویرگری کرنے والا، جس کے تمام اچھے نام ہیں اس کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بیان ہونے والے بھی اسماء ہیں، ہم خدا کو ان کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کو ان ناموں سے پکاریں تو اگرچہ اس کی اجازت کی تصریح نہیں کی گئی لیکن یہ اجازت آیت سے مستنبط ہوتی ہے مثلاً پہلی آیت کے الفاظ جس نام سے بھی پکارو اچھے نام اسی کے ہیں۔ خدا کو اسمائے حسنیٰ سے پکارنے کے جواز پر دلیل ہیں۔ اور ان آیات کے الفاظ جس کے تمام اچھے نام ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ بیان ہوئے ہیں۔

مزید غور کیجئے تو آیت الکرسی کے الفاظ

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔	اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔

کا نظم سورۂ حشر کی مذکورہ آیت کے نظم کے مشابہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ الحی اور القیوم بھی اسمائے حسنیٰ ہیں

معرفت رب صفات سے

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے۔ یہ خبر کے پیرایے میں بیان ہوئی ہیں جیسے سورۂ بروج کی آیتیں۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (۱۴-۱۶)	وہی بخشنے والا اور مہربان ہے، صاحب عرش، ذی مرتبہ جو چاہے کر دیتا ہے۔

اس آیت میں دو باتوں کا احتمال ہے۔ اس بات کا بھی کہ یہ کلمات اسمائے حسنیٰ ہوں اور اس بات کا بھی کہ یہ صفات ہوں۔ لہٰذا ایسے موقعوں پر غور و فکر ضروری ہوتا ہے۔ اچھا طریقہ یہی ہے کہ ہم انہی اسماء کو اسمائے حسنیٰ قرار دیں جن کا ذکر تصریح کے ساتھ ہوا ہے اور صفات اور افعال کو انہی اسماء کی طرف لوٹائیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے واضح ترین نام اللہ اور رحمان ہیں اس لئے رب تعالیٰ کی معرفت میں ہم انہی کو اصل مانتے ہیں۔

افعال کی نسبت کے ذریعے معرفت الٰہی

ہم اگر قرآن یا دوسری مقدس کتابوں کا مطالعہ کریں تو اس میں یہ بات نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھے امر کے نتائج اور اپنے ملائکہ کے افعال کو اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے۔ اس سے مراد درمیانی واسطوں کا انکار نہیں ہوتا بلکہ اس اسلوب کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ یہ تمام نتائج اسی کے امر و اذن سے اور اسی کی سنت کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو افعال اپنی ذات سے منسوب کئے ہیں ان میں گمراہ کرنے، فتنہ میں ڈالنے، انتقام لینے، دل پر مہر کر دینے، دشمنی واپس لے لینے اور جلا دینے کے افعال بھی شامل ہیں۔ لسان وحی کا ایک رمز شناس اس معاملے میں ذرا بھی شک نہیں کر سکتا کہ یہ تمام تعبیر ہے اللہ تعالیٰ کی پر حکمت سنت کی جو رحمت اور عدل کی صفات سے متصف ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ اسلوب کیوں منتخب کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے لئے زیادہ کارگر اور عوام الناس کے فہم سے زیادہ قریب ہے۔ تمام کتب وحی اور خاص طور پر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ وہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اور ان پر رحم کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا اپنا مشاہدہ بھی یہ ہے کہ وہ عدل و رحمت کو پسند کرتا ہے۔ اس نے اپنی شریعتوں کو رحم اور عدل پر مبنی کیا ہے۔ پھر انہی صفات کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے اور ہماری عقلوں کو یہ یقین عطا کیا ہے کہ یہ صفات خوبیاں ہیں اور جو ان کے برعکس ہے وہ برا ہے اور یہ کہ اللہ بری صفات اور قبیح خصائل سے بری ہے۔ پس اس معاملے میں عقل اور وحی دونوں متفق ہیں۔ لہٰذا مذکورہ تکلیف دہ اور قبیح امور کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے تو یہ مسئلہ حل طلب ہو جاتا ہے۔ وحی کے ذریعے ہمیں ایسے معاملات میں یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ ہم فرق مراتب کا لحاظ رکھیں، جس بات کو نہ سمجھتے ہوں اس کے بارے میں توقف کریں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھیں، اور اس کو ہر برے فعل سے پاک گردانیں۔ تاہم اس سوال کے جواب میں لوگوں نے کئی باتیں پیش کی ہیں جن کو ہم آگے بیان کریں گے۔

نظم قرآن سے استدلال معرفت رب پر

مختلف آیات میں بعض صفات الٰہی الگ الگ الفاظ کے ہمراہ

وارد ہوئی ہیں۔ اگر ان کے نظم پر غور کیا جائے تو ہم فہم حاصل کرسکتے ہیں جو الگ الگ صفات پر غور کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک آیت میں ہے وَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (وہ غنی و حمید ہے)

یہاں غنی اور حمید کی صفات کا ربط ان معانی تک ہماری رہنمائی کرتا ہے جو دونوں صفتوں پر الگ الگ غور کرنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

ہم یہ بات یقینی طور پر جانتے ہیں اور وحی آسمانی بھی اسی کی تعلیم دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے غنی ہے۔ اسے ان کی کوئی احتیاج نہیں۔ وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ اگر تمام عالم فنا ہوجائے جب بھی اس کے کمال میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ ازلی و ابدی طور پر کبریائی والا اور عالی مرتبہ ہے۔ اب غنی کی صفت سے متعلق ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ حمد کا کوئی جوڑ نہیں۔ کیونکہ غنی اگرچہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا تاہم اس کی حمد اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ کسی دوسرے پر احسان کرے۔ صفت محمودیت کسی غیر کی محتاج ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تعریف نہیں ہوسکتی تھی جب تک وہ مخلوق کو پیدا کرکے ان پر انعام نہ کرتا۔ آیت وہو الغنی الحمید میں یہ واضح کیا کہ حمید اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ یعنی وہ اپنی ذات میں خود محمود ہے۔ اپنی محمودیت کے لئے وہ مخلوق کے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی تمام صفات۔ خلق، عدل، رحم، رافت، علم اور حکمت قدیم ہیں ان کے آثار بعد میں ظاہر ہوئے اور وہ ان صفات کا اثبات کرتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ مخلوق سے غنی ہے اسی طرح وہ ان کے تخلیق سے پہلے سے حمید ہے۔ اور وہ اس وقت بھی غنی و حمید ہوگا جب یہ سارا عالم فنا ہوجائے گا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (رحمٰن ۲۶)

جو کچھ اس زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور صرف تیرے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات باقی رہ جائیگی۔

یہاں ذوالجلال والاکرام کے ٹھیک وہی معنی ہیں جو الغنی الحمید کے ہیں۔

غنی و حمید کی صفات کے نظم ہی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ حقیقی غنی وہ نہیں جو حمد کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہو اور نہ وہ حمید حقیقی حمید ہے۔ جس کو کوئی حاجت لاحق ہوتی ہو۔ غنی اور حمد کی یہ حقیقت اہل عرب کو بھی معلوم تھی۔ عروہ بن الورد کا شعر ہے۔

فذلك ان يلق المنية يلقها حميدا وان يستغن يوما فاجدر

(اسے اگر موت آجائے تو لوگ اس کے گن گائیں گے اور اگر کبھی غنی ہوجائے تو اس کا سب سے زیادہ اہل ہے)

یہاں شاعر اپنے موصوف کے متعلق کہتا ہے کہ اگر وہ مرجائے تو لوگ اس کی سخاوت و شرافت کی بدولت اس کی تعریف کریں گے اور اگر وہ غنی ہوجائے تو اس لئے نہ ہوگا کہ اسے دولت حاصل ہوئی تو اس نے بخل سے کام لیا۔ بلکہ اس لئے ہوگا کہ وہ ناداری کے باوجود کسی سے سوال نہ کرتا تھا۔ لہٰذا وہ اسی کا مستحق تھا۔ (جاری)

مولانا عبدالغفار حسن
استاذ حدیث۔ جامعہ مدینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاحِ معاشرہ کی بنیادیں

کتاب و سنت کی روشنی میں

ذیل کا مضمون دراصل قرآن حکیم (آیات سورۂ فصلت) کا درس ہے جو رحیم یار خاں کی ایک مجلس میں دیا گیا تھا۔ اب اس درس کو ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ میثاق میں اشاعت کے لیے دیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مضمون کے کاتب اور قارئین کو حسن عمل اور دعوت الی اللہ کے مخلصانہ جذبات سے بہرہ اندوز فرمائے۔ آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (۳۰) نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (۳۱) نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (۳۲) وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (۳۳)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے۔ پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو، اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم کو وعدہ کیا گیا ہے خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی اور وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی، اور جو چیز تم طلب کرو گے تمہارے لیے موجود ہوگی یہ بخشنے والے مہربان رب کی طرف سے مہمانی ہے اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے، اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ	اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی،
ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ	جواب دو جو بہت اچھا ہو۔ ایسا کرنے
وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ	سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں
وَلِيٌّ حَمِيمٌ (۳۴) وَمَا	دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست
يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا	ہے اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل
وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ	ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے
عَظِيمٍ (۳۵) وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ	ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے
مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ	جو بڑے صاحب نصیب ہیں اور اگر
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ	تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۳۶) سورۃ	پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔
حٰم سجدہ (فصلت) پ ۲۴۔	بے شک وہ ہی ہے سننے والا جاننے والا۔

کلمات اور جملوں کی تشریح

رب۔ بمعنی مالک، جیسا کہ کہا جاتا ہے رب الدار یعنی مالک گھر، غریب القرآن ابن قتیبہ ص۹۔ لسان العرب میں ہے۔ الرب یطلق فی اللغۃ علی المالک، المدبر، السید، المنعم، المربی، القیم، جلد ۱ ص۳۹۹۔ ربنا اللہ یعنی ہو الرب لا غیرہ، بس وہی رب ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

استقاموا۔ استقامت بمعنی اخلاص۔ قال ابو العالیۃ اخلصوا لہ الدین والعمل، ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے دین و عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیا۔ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۹۹۔

قال الزهری تلا عمر	امام زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے
هذه الآیة علی المنبر	منبر پر اس آیت کو تلاوت کیا۔ پھر
ثم قال واللہ للہ بطاعته	فرمایا استقاموا یعنی بخدا اللہ کے
ولم یروغوا روغان	لیے اس کی اطاعت پر ثابت ہو گئے اور روباہ کی

الثعلب۔	کی طرح کبھی ادھر ادھر کی چال اختیار نہیں کی۔ (ابن کثیر)

(ب) دوام اور پابندی یعنی کسی کام کو مستقل مزاجی سے انجام دینا اور پابندی و ہمیشگی کے ساتھ اس پر قائم رہنا۔

(۱) عن انس بن مالک قال قرأ	انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول
علینا رسول اللہ صلی اللہ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ آیت
علیه وسلم هذه الآیة	پڑھ کر سنائی اور ارشاد فرمایا (بہت سے)
ان الذین قالوا الآیة	لوگوں نے یہ کلمہ (ربنا اللہ) کہا اور پھر
قد قالها ناس ثم	ان کی اکثریت انکار کر بیٹھی جس نے یہ کلمہ
کفر اکثرهم فمن قالها حتی	کہا اور اس پر اس کی موت آئی تو در حقیقت
یموت فقد استقام علیها۔	اس نے استقامت دکھائی (حوالہ مذکور)۔
(۲) عن سفیان الثقفی ان رجلا قال	سفیان ثقفی سے روایت ہے کہ ایک
یا رسول اللہ مرنی بامر فی الاسلام	آدمی نے کہا یا رسول اللہ مجھے اسلام میں
لا اسئل عنه احدا بعدک قال رسول	ایسے کام کا حکم دیجیے کہ آپ کے بعد پھر
اللہ صلی اللہ علیه وسلم قل آمنت	کسی سے سوال کرنے کی نوبت نہ آئے۔ آپ
باللہ ثم استقم۔ صحیح مسلم و مسند احمد	نے فرمایا کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر
ابن کثیر ج ۴ ص ۹۹	جم جاؤ۔

(ج) استقامت بمعنی اعتدال و میانہ روی یعنی افراط و تفریط سے بچتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کی جائے۔ تفسیر خازن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ:

ورأس الاعمال الصالحات ان یکون	اعمال صالحہ کا سرا یہ ہے کہ انسان میانہ
الانسان مستقیما فی الوسط غیر مائل	روی اختیار کرے افراط و تفریط کی طرف
الی الافراط والتفریط فتکون	مائل نہ ہو۔ اس طرح امور دین اور
الاستقامة فی امور الدین والتوحید	توحید میں استقامت حاصل ہو گی اور
فتکون فی الاعمال الصالحة۔ ج۴ ص…	پھر اعمال صالحہ آراستہ ہوں گے۔

یہاں "استقاموا" سے اشارہ ہے اس حکم کی تعمیل کی طرف جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ	(اے محمدؐ) کہہ دو کہ میں تو تم جیسا بشر ہوں

یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ (۶) حٰمٓ السجدہ (پ ۲۴)

ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے تو سیدھے اس کی طرف متوجہ رہو۔ اور اسی سے مغفرت طلب کرو اور مشرکوں پر افسوس ہے،

اس معنی کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ سورہ بقرہ پ (۱۴۳)

قال القاسمی ثم استقاموا ای فی عقائدھم واخلاقھم واعمالھم وذلک بالسلوک فی طریقہ تعالٰی والثبات علی صراطہ مخلصین لاعمالھم عاملین لوجھہ غیر ملتفتین الی غیرہ ج ۲ ص ۵۲۰۳

علامہ قاسمی (شام کے مشہور عالم متوفی ۱۳۳۲ھ) نے اس عبارت میں تینوں معانی جمع کردیے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ۔ نزول ملائکہ کے تین اوقات ہو سکتے ہیں (۱) دنیا میں خیر و صلاحیت کی باتیں دل میں القاء کرتے ہوئے اترتے ہیں (۲) موت کے وقت جیسا کہ مشہور مفسر مجاہد تابعی نے کہا ہے (۳) آخرت میں۔ قال القاسمی ای فی الدنیا بالھامھم او عند الموت او حین البعث۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے انسانوں پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں غلط راہ پر لگا دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے (یعنی زیر تفسیر آیات سے ایک رکوع قبل)

وَقَیَّضْنَا لَھُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَھُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ (سورہ حٰمٓ سجدہ ۲۵)

اور ہم نے شیطانوں کو ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال عمدہ کر دکھلائے تھے۔

ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۔ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۔ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ ۔ سورہ شعراء (پ ۱۹)

(اچھا) میں تمہیں بتاؤں شیطان کس پر اترتے ہیں۔ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ بد انسانوں پر شیاطین اترتے ہیں اور نیک بندوں پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو ان کو خیر اور بھلائی کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ان کی دل جمعی

اور تسکین کا باعث بنتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ ۔ وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۔

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ ہم ہزار فرشتوں سے جو پے در پے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے اور اس مدد کو خدا نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔

اَنْ لَّا تَخَافُوْا یعنی امور آخرت سے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں خوف زدہ مت ہو (قول مجاہد) وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی دنیا میں جو مال و متاع اور اولاد چھوڑ آئے ہو اس پر افسوس مت کرو، قال الآلوسی قال عطاء لا تخافوا رد حسناتکم ولا تحزنوا علی ذنوبکم، علامہ آلوسیؒ نے عطاء تابعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اپنی نیکیوں کے رد ہونے کا خوف مت کرو اور نہ اپنے گناہوں پر افسوس کرو۔ ج ۲۴ ص ۱۱۰ ۔ ولا تخزنوا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فزع اکبر بڑی گھبراہٹ سے غم مت کھاؤ جیسا کہ دوسری آیت میں مومنین کی شان یہ بیان ہوئی ہے، ولا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقاھم الملٰئکۃ" (الانبیاء ۱۰۳) پیمان کردہ اس دن کا بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے اور کہیں گے، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اس آیت سے تتنزل علیھم الملٰئکۃ ولا تحزنوا۔ دونوں کے مفہوم کی مزید وضاحت ہو گئی۔

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ ۔ اس جملہ کی تفسیر ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الملٰئکۃ تقول لروح المومن اخرجی ایتھا الروح الطیبۃ فی الجسد الطیب کنت تعمرینہ

فرشتے مومن کی روح سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اے پاک جسم میں رہنے والی پاک روح تو اس بدن کو آباد کیے ہوئے تھی

اخرجی الی روح و ریحان و	(اب) نکل چل رحمت، خوشبو دار پھولوں
رب غیر غضبان (ابن ماجہ	اور ایسے رب کی طرف جو غضبناک
مسند احمد)	نہیں ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اسلامی احکام پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کرنے سے دنیا میں بھی کامیابی اور سرفرازی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا	اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ	اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا	زمین کی برکات (کے دروازے) کھول
فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	دیتے۔ مگر انھوں نے تو تکذیب کی، سو ان
الاعراف (۹۶)	کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ	اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور
اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	پرہیزگاری کرتے تو ہم ان سے ان کے گناہ
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ	محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں
النَّعِيْمِ	میں داخل کرتے۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ	اور اگر وہ تورات و انجیل اور جو (کتابیں)
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ	ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئیں
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا	ان کو قائم رکھتے تو ان پر رزق مینہ کی
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ	طرح برستا کہ اپنے اوپر سے اور پاؤں کے
اَرْجُلِهِمْ ۔ المائدہ (۶۵-۶۶)	نیچے سے کھاتے۔

لیکن جس حقیقت کو قرآن نے بار بار بیان کیا ہے وہ آخرت کی بے مثال نعمتیں اور جنت کی سرمدی زندگی ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی ایمان اور عمل صالح کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی آخرت کے ثواب و جزاء کا بھی ذکر ہے، صرف دو تین آیات ایسی ہیں جہاں ایمان و تقویٰ کے نتیجے میں دنیاوی سعادت و خوشحالی بیان کی گئی ہے، دعوت و تبلیغ کے وقت قرآن کے اسی اسلوب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس بارے میں افراط و تفریط اسلام کے صحیح قرآنی تصور کو مسخ کر سکتی ہے۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ	ہم دنیا میں بھی تمہارے دوست ہیں اور
الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں بھی یہ دوستی قائم رہے گی

جیسا کہ ارشاد ہے الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین

یعنی دنیا میں ملائکہ کی رفاقت و دوستی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مومن کا دل اطمینان و تسکین سے بھرپور رہتا ہے۔ نیکی کی طرف رغبت اور برائی سے نفرت کے جذبات ابھرتے رہتے ہیں۔ قبر میں تنہائی کی وحشت نہیں ستاتی اور نہ نفخ صور (صور پھونکے جانے کے وقت) کسی قسم کا اضطراب پیدا ہوتا ہے اور نہ قبر سے اٹھتے وقت مایوسی اور بدحواسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

فرشتوں کی رفاقت کی بنا پر سفر آخرت کے یہ سب منازل سکون و اطمینان سے طے ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جنت کی ابدی نعمتوں سے ہم کنار ہونے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کا یہ نیک بندہ فرمان خداوندی کا مصداق بن جاتا ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔

ایسے ہی خوش نصیب بندے کو نفس مطمئنہ کا خطاب ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ	اے ایمان والی روح! اپنے پروردگار
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ	کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ	وہ تجھ سے راضی، تو میرے (ممتاز) بندوں
فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ	میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں
جَنَّتِيْ (الفجر ۳۰)	داخل ہو جا۔

(جاری)

مشرقی پاکستان میں میثاق کی ایجنسیاں

۱۔ ظفر اینڈ کمپنی ۲۰۔ نواب پور روڈ۔ ڈھاکہ
۲۔ ایس۔ ایم الیاس ۱۵۔ اے جناح روڈ، چاٹگام

ہم سے طلب فرمائیے!

تصانیف مولانا فراہیؒ

تفاسیر	قیمت	
مقدمہ تفسیر نظام القرآن	۰٫۹۰ روپے	
تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	۰٫۲۵	〃
〃 سورہ قیامہ	۰٫۶۰	〃
〃 〃 والشمس	۰٫۵۰	〃
〃 〃 فیل	۱٫۰۰	〃
〃 〃 زاریات	۱٫۳۰	〃
〃 〃 مرسلات	۰٫۶۰	〃
〃 〃 والتین	۰٫۷۰	〃
〃 〃 کوثر	۱٫۱۰	〃
〃 〃 لہب	۰٫۷۰	〃
〃 〃 تحریم	۰٫۷۰	〃
〃 〃 عبس	۰٫۷۰	〃
〃 〃 والعصر	۰٫۶۰	〃
〃 〃 کافرون	۰٫۲۵	〃
〃 〃 اخلاص	۰٫۲۵	〃
اقسام القرآن	۱٫۳۰	〃
ذبیح کون ہے؟	۱٫۷۰	〃

لغت وادب

★

اسباق النحو

حصہ اول : ۱٫۳۰ روپے

حصہ دوم : ۱٫۰۰ 〃

★

امثال آصف الحکیم

قیمت : ۱٫۳۷ روپے

★

جمہرۃ البلاغہ

قیمت : ۱٫۵۰ روپے

★

مفردات القرآن

قیمت : ۱٫۴۰ روپے

★

دیوان عربی

قیمت : ۱٫۵۰ روپے

★

نوائے پہلوی (دیوان فارسی)

قیمت : ۴٫۰۰ روپے

★

دارالاشاعت الاسلامیہ کرشن نگر لاہور

محمد یحییٰ ایم اے
لیکچرار عربی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

تصوف پر ابن الجوزیؒ کی تنقید

ابن خلدون کے قول کے مطابق تصوف "حق اور ہدایت کی پیروی، عبادت اور ریاضت، تمام علائق سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف توجہ کرنے، دنیا کی زینت و دلکشی سے بے نیازی اور مال و جاہ کی محبت سے دل کو خالی کر کے عبادت کے لئے خلوت اختیار کرنے" کا نام ہے۔

اسلام میں حُبِّ دنیا سے پرہیز، آخرت کی طرف توجہ اور عبادت و ذکر الٰہی کی کثرت کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کا منشاء قطعاً یہ نہیں کہ انسان دنیا کی زندگی سے یکسر علیحدہ ہو جائے۔ ہاں بعض طبائع جن میں تعبّد کا جذبہ از خود فراواں ہوتا ہے۔ یا کسی طور انتہاپسندی کا رجحان ان میں غالب ہو جاتا ہے۔ تو شکاں اس چیز کی تلقین دنیا سے یکسر قطع تعلق کا بہانہ بھی ہو سکتی ہے۔ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا ہوا۔ اور بعض لوگوں نے علانیہ دنیا سے قطع تعلق کا تہیہ کر لیا، لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجحان کی سخت حوصلہ شکنی فرمائی۔ بہرحال یہ رجحان بہت کمزور سہی اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود اسلام ہے۔

خلافت راشدہ کے عہد میں عام زندگی اسی نہج پر قائم رہی جس پر حضور علیہ السلام کے عہد میں تھی۔ یعنی جسم و روح اور دنیا و آخرت کا حسین امتزاج عام حالات میں برقرار رہا جس کا اسلام داعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں حضرت ابو ذر غفاریؓ جیسے افراد کے علاوہ ایسا کوئی مستقل گروہ نہیں ملتا جو دنیا سے انقطاع اور عبادت گزاری میں سراسر انہماک کی وجہ سے عام زندگی سے کٹ ہوا نظر آئے۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد زندگی کا انداز بدل گیا۔ وسیع اسلامی فتوحات کی بدولت مسلمانوں کی سوسائٹی میں مال و زر کی ریل پیل ہو گئی۔ تعیشات کی فراوانی ہو گئی، اور اس طرح دولت کی کثرت سے فائدہ اٹھا کر عجمی تہذیب و تمدن نے اسلام کے زیر سایہ پھر سے اپنے پاؤں جمالئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد بنی امیہ کے وسط میں خوش حال طبقہ کی زندگی شراب کی مجلسوں، شعر و شاعری کی گرم بازاری، رقص و سرود کی محفلوں اور لہو و لعب سے عبارت تھی۔ اور حضور علیہ السلام کے وصال کے پون صدی بعد ہی مسلمانوں کی سوسائٹی وہ سوسائٹی نہ رہی تھی جو حضور علیہ السلام کے عہد میں تھی۔

اس وقت امت کے علماء اور صلحاء دو واضح گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بڑا گروپ ان تابعین، تبع تابعین

اور علماء کا ہے۔ جنہوں نے بدلتے ہوئے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور دنیا پرستی سے اپنا دامن بچاتے ہوئے عام زندگی سے رابطہ قائم کئے رکھا۔ وہ اپنے علمی اور دینی مسائل میں اس طرح مشغول رہے کہ سوسائٹی کا ایک جزو بھی رہے اور اپنے آپ کو سوسائٹی کی الائشوں سے پاک بھی رکھ سکے ساتھ ہی یہ لوگ سے عہد نبوت کے قریب تر لانے کی جدوجہد بھی کرتے رہے یعنی اپنے طور دین اور دنیا کے درمیان اس توازن کو برقرار رکھا جیسے حضور علیہ السلام نے قائم کیا تھا۔

لیکن دوسری طرف، عام زندگی میں بڑھتی ہوئی دنیا پرستی کے ردعمل کے طور پر وہ گروپ بھی خاصا مضبوط ہوگیا جو اپنے جذبۂ تعبد کی فراوانی کی بنا پر دنیا سے انقطاع کی طرف مائل تھا۔ اس گروپ نے زہد اور عبادت کی پناہ لی۔ اور دنیا سے اپنا رابطہ بہت کم رہنے دیا۔ چنانچہ قرن اول اور قرن ثانی میں ہی کچھ لوگ "زہاد، عباد" وغیرہ جیسے ناموں کے ساتھ عام لوگوں سے ممتاز نظر آنے لگتے ہیں۔ ان میں سے "اویس بن عامر القرنی، عامر بن عبداللہ بن عبد قیس البصری، مسروق بن عبدالرحمٰن، ابو عائشہ الکوفی، ربیع بن خثیم، ہرم بن حیان، الحسن بن الحسن، ابو سعید البصری کے نام بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔

ان حضرات کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی روحانی زندگی ذکر الٰہی کی کثرت، حب دنیا سے بیزاری، کائنات کے نظام میں تفکر و تامل، دنیا اور اہل دنیا سے استغنا، اور اللہ پر کامل توکل سے عبارت تھی۔ آپ ذرا غور فرمائیں تو واضح ہو جائے گا کہ اس طرز زندگی سے داخلیت پسندی کا رجحان تقویت پاتا ہے۔ اور عام زندگی سے ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب انسانی طبیعت غلو اور افراط و تفریط کا شکار ہوجاتی ہے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بعد کے صوفیاء اس مرض کا شکار ہو بھی گئے۔ پھر یہی نہیں، بلکہ یونانی فلسفہ خصوصاً "افلاطونیہ جدیدہ" کے اثرات نے تصوف میں اس طرح راہ پائی کہ تصوف ایک مستقل علم باطن، اور ایک قائم بالذات طرز فکر اور نظام زندگی کی صورت اختیار کر گیا جس کی بنیاد دقیق الہیاتی مباحث اور اس کے پہلو بہ پہلو مراقبات، محاسبات، ریاضات، مجاہدات اور سلوک احوال و مقامات پر تھی۔[1] تصوف کا علم باطن صوفیاء کی نگاہ میں علم شریعت سے جداگانہ بلکہ اس سے ممتاز علم قرار پایا۔[2] چھٹی صدی ہجری میں تصوف مذکورہ بالا خدوخال کے ساتھ اپنے پورے جوبن پر تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ابن جوزی نے اس پر قلم اٹھایا۔

علامہ ابن الجوزی ایک بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ ہی نہ تھے بلکہ ایک ادیب اور معاشرتی مصلح بھی تھے۔ اپنے زمانے کے علماء میں یہی ایک ایسے عالم تھے جنہوں نے اپنے دور کے معاشرے کا گہری نظر سے

[1] الحیاۃ الروحیۃ فی الاسلام، از عبدالرزاق علی ص ۱۹۲۔
[2] ایضاً۔

جائزہ لیا۔ اس کے تمام پہلوؤں کو اسلامی آئیڈیل (IDEALS) کے معیار پر پرکھتے ہوئے۔ ایک مصلح کی دردمندی کے ساتھ اس کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی۔ اور ان کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے ان کا علاج بھی تجویز کیا۔ ان کی مشہور کتاب "تلبیس ابلیس" اس سلسلے کی ممتاز ترین تصنیف ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے افراد کی تمام مستقل انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا۔ اور اس طرح اس کتاب کا موضوع پورا معاشرہ ہے۔ لیکن اس میں انہوں نے سب سے زیادہ توجہ صوفیا کی طرف دی ہے۔ اور اس کی وجہ غالباً تصوف کی مقبولیت اور سوسائٹی پر صوفیاء کے گہرے اور دوررس اثرات کی فراوانی ہے۔

تعصب سے پاک تنقید

علماء اور صوفیاء کی مناقشت قدیم سے ایک روایت چلی آتی ہے۔ جس کے قصے دونوں گروہ بڑی شدومد سے بیان کرتے آئے ہیں۔ اور اب تک کرتے ہیں۔ حلاج اور شہاب الدین مقتول کے قتل کے فتوے نے اس روایتی مناقشت کو اور ہوا دی۔ اور اس موقع پر کہا گیا کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ صوفیا کی طرف سے اس مخاصمت کی بناء پر فریق ثانی کے بارے میں بعض اوقات بڑی تلخ باتیں بھی کہی گئیں۔ بہرحال اس مناقشت کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں۔ دیکھنا محض یہ ہے کہ صوفیاء پر تنقید کرتے ہوئے ابن الجوزی کس حد تک اس مناقشت کے زیر اثر آئے۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگرچہ ابن الجوزی نے صوفیا پر بہت سخت تنقید کی ہے بلکہ انہوں نے کھل کر تصوف کے بعض پہلوؤں کی تنقیص بھی کی ہے۔ لیکن اس کی بنیاد تصوف یا صوفیا سے بغض وعناد پر نہیں ہے۔ وہ تصوف اور صوفیا کے فضائل کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ وہ اس سلسلے میں پورے عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی کا قول کہ "تصوف بُرے اخلاق سے نکلنے اور اچھے اخلاق میں داخل ہونے کا نام ہے" اور رویم کا قول "کہ تمام مخلوق نے رسوم پر ڈیرہ ڈالا۔ لیکن صوفیا نے حقائق پر قیام کیا۔ اور سب مخلوق نے ظاہری شرع کی درستی کا مطالبہ کیا اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ، اور مداومت صدق کا مطالبہ کیا" نقل کرکے کہتے ہیں "وعلی هذا كان اوائل القوم" (اوائل صوفیا کا طرز عمل یہی تھا)

وہ صوفیا کی زندگی کی افراط و تفریط کو ظاہر کرنے کے لئے ان کا موازنہ اسلام کے مثالی نمونۂ زندگی سے کرتے ہیں۔ ان کا یہ مثالی نمونہ جن عظیم ہستیوں کی سیرت سے ماخوذ ہے۔ ان میں خود کبار صوفیا بھی شامل ہیں۔ اور جہاں وہ حضور علیہ السلام کے اسوہ حسنہ اور آپ کے بعد صحابہ کرامؓ اور ائمہ محدثین کی سیرتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہاں صوفیا کی سیرتوں کا حوالہ بھی پوری عقیدت مندی اور انتہائی تحسین آمیز انداز میں دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ تصوف کے مخالف ہیں، اور نہ صوفیا سے انہیں کوئی کد ہے۔ وہ تو محض تصوف

کے ان پہلوؤں اور صوفیا کی اس طرزِ زندگی پر تنقید کرتے ہیں، جو خود تصوف کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔ انہوں نے تصوف پر تنقید کے سلسلے میں اپنا نقطہ نظر صراحت سے بیان کر دیا ہے۔

"نحن نذكر بعض ما بلغنا من اغلاط القوم - والله يعلم اننا لم نقصد بيان غلط الغالط الا لتنزيه الشريعة والغيرة عليها من الدخل وما علينا من القائل والفاعل وانما نؤدي بذلك امانة العلم"

ترجمہ :۔ ہم اس گروہ کی بعض ایسی غلطیوں کا تذکرہ کریں گے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ غلطی کرنے والوں کی غلطی بیان کرنے کا ارادہ ہم محض شریعت کی تنزیہ اور اس میں کسی طرح کی ملاوٹ کو قبول نہ کرنے کی خاطر کیا ہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کہنے یا کرنے والا کون ہے۔ ہماری نیت تو محض علم کی امانتداری (کی حفاظت) ہے۔"

ابن الجوزی کی تنقید کی حدود

ابن الجوزی سے تھوڑا ہی عرصہ بعد امام ابن تیمیہ نے بھی تصوف کو ہدف تنقید بنایا لیکن ان کی تنقید فلسفۂ تصوف اور تصوف کی فکری اور نظری اساسوں پر تھی۔ ان کے مقابلے میں ابن الجوزی نے تصوف کا ایک معاشرتی ادارے اور ایک مخصوص طرزِ زندگی کی حیثیت سے جائزہ لیا۔ امام ابن تیمیہ کا انداز ایک فلسفی اور مفکر کا سا تھا، اور ابن الجوزی کا ایک معاشرتی مصلح کا سا۔

ابن الجوزی نے صوفیا کو ایک ایسے طبقے کی حیثیت سے دیکھا جن کا ایک مخصوص اندازِ فکر ہے، زندگی بسر کرنے کی ایک جداگانہ طرز ہے۔ ان کے اعمال و افعال، اپنے آپ پر نافذ کردہ ذمہ داریاں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا طریقہ عام لوگوں سے سراسر مختلف ہے۔ اس طرزِ عمل کے پیچھے افکار و نظریات کا ایک مخصوص مجموعہ ہے جن میں ان کی صدیوں پرانی روایات جھلکتی ہیں۔ ابن الجوزی نے صوفیا کے حال اور ماضی کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔ ہمعصر صوفیا کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ برسوں ان کے ساتھ پھرے ہیں۔ انکے ماضی کے ورثے کو ان کے طرزِ عمل میں کارفرما بھی دیکھا ہے۔ اور ان کے علمی ذخیرے میں بھی تلاش کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے تصوف پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے تصوف اور صوفیاء کے صحیح خدوخال واضح کئے ہیں۔ اور اگرچہ ان کا مقصد تنقید تھا، لیکن اپنی تحریروں میں انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف اور حاملین تصوف کی ایک جامع فکری، عملی اور معاشرتی تصویر بھی پیش کر دی ہے۔ جس میں ہم ان کے زمانے کے صوفی کو سوچتا اور عمل کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے لباس، طرزِ زندگی، اذکار و اعمال اور روزمرہ معمولات کی پوری تفصیل ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اگر کوئی مؤرخ قرون وسطیٰ کے

صوفیا کی اپنی کتابوں کی نسبت ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس میں صوفی کی زندگی کا مکمل خاکہ ڈھونڈنا چاہے تو اسے زیادہ واضح اور زیادہ مکمل ملے گا۔

صوفیاء کے مطابق تصوف کا مقصود حقیقت تک پہنچنا ہے۔ یعنی تصوف ایک ایسا نظامِ عمل ہے جس پر چل کر حقیقت تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی مفہوم کو ملحوظ رکھ کر تصوف کے لئے "طریقت" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اور اس کی رعایت سے سلوک، سالک، مرشد، دلیل اور مقامات جیسی اصطلاحیں مروج ہیں۔ "طریقت" کے مختلف مراحل ہیں۔ جن کو تصوف کی زبان میں مقامات کہا جاتا ہے۔ تصوف کی قدیم ترین کتاب "اللمع" کے مطابق مقامات طریقت یہ سات ہیں۔ توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل، رضا۔[1] مقامات کے بارے میں صوفیاء کے ان اختلاف بھی ہے۔ کچھ لوگ مندرجہ تقسیم سے مختلف تقسیم کرتے ہیں۔ کچھ صوفیا کے ہاں اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔ بہرحال یہ مقامات تصوف کے نظامِ عمل کی بنیاد ہیں۔ مقامات کے تصور سے قطع نظر یہ تمام اصطلاحیں اسلام میں اپنا اپنا مفہوم رکھتی ہیں۔ اور اسلامی نظامِ عمل میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ صوفیاء نے اپنے فلسفے کے مطابق ان کو مخصوص مفہوم دیا ہے۔ اور ان کے حوالے سے ایک نظامِ عمل تعمیر کیا ہے۔

صوفیا کا عدم توازن اور اس کا سبب

ابن الجوزی نے ان ہی اصطلاحات کے حوالے سے اس زمانے کے صوفیاء کے فکر و عمل کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اس کے علاوہ صوفیاء کے مخصوص تصورات اور اعمال شلاً "سماع، وجد" وغیرہ پر بھی بحث کی ہے۔ اور اس طرح سے جادۂ اعتدال سے ان کے انحرافات کو واضح کیا ہے۔

ابن الجوزی کے نزدیک صوفیا کے عدم توازن کا اصل سبب علم دین سے ان کی غفلت ہے۔ تنقید کے آغاز میں ہی رقمطراز ہیں :۔

" وكان اصل تلبيسه عليهم انه صدهم من العلم واراهم ان المقصود العمل فلما اطفؤا مصباح العلم عندهم تخبطوا في الظلمات "[2]

ترجمہ :۔ ابلیس نے صوفیا پر بنیادی طور پر اس طرح اپنا جادو چلایا کہ علم سے انہیں روک دیا اور انہیں باور کرایا کہ مقصود اصل تو عمل ہے۔ پھر جب علم کا چراغ بجھ گیا، تو وہ اندھیرے میں خبط مارنے لگے۔

صوفیاء کی ایک جماعت نے تو اس سلسلے میں اس حد تک غلو کیا کہ علم شریعت اور طریقت وتصوف

[1] تاریخ تصوف - قاسم غنی ص ۲۱۲ ۔ [2] تلبیسِ ابلیس ص ۲۵۲

کو جدا جدا بلکہ متضاد قرار دیا۔ یہاں تک کہ اپنی کتابیں جو علم کا خزانہ تھیں دفن کر دیں یا دریا برد کر دیں یا جلا ڈالیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک جب مقصود اصلی عمل ہے تو علم بے کار ہے۔ ان لوگوں میں احمد بن ابی الحواری، ابوالحسین بن الخلال اور موسی بن ہارون زیادہ مشہور ہیں [1] ان کے خیال میں علم صرف بے کار چیز ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت پرستوں کے لئے یہ باعث ننگ و عار ہے۔ ابوسعید کندی جب حصولِ علم کے لئے کسی شہر میں جاتے تو مقصد ظاہر کئے بغیر کسی رباط میں ٹھہر جاتے تھے۔ ایک دن ایک رباط میں ان کی دوات گٹھڑی میں سے نکل کر گر پڑی۔ تو ایک صوفی نے کہا: "اُستر عورتک" (اپنی شرمگاہ چھپا لو) ان کے نزدیک علم اصل میں وہ چیز ہے۔ جو طویل عبادت و ریاضت کے نتیجے میں دل کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نام ان کے نزدیک علم الباطن یا علم الخرق ہے ——— وہ طالبانِ علم پر تعریض کرتے ہوئے کہتے تھے۔ "تدع علم الفرق و تأخذ علم الودق" (تو خرقوں کے علم کو چھوڑ کر ورقوں کے علم کو حاصل کرتا ہے۔ [2])

اس علم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف اسلام کے مفہوم کی حقیقی تعبیر بننے کی بجائے ایک متوازی نظامِ زندگی بن گیا۔ اس حقیقت کو ابن الجوزی نے تصوف کے مقامات و احوال کے حوالے سے تصوف اور متصوفین کا تجزیہ کر کے واضح کیا انہوں نے مشہور مقامات اور احوال کے ناموں سے عنوان باندھے ہیں ——— کیونکہ یہی ایک صوفی کی زندگی کا محور ہیں اور یہی ان کے لئے بنیادی رہنما اصولوں کی علامت ہیں۔ ان عنوانات کی ذیل میں ابن الجوزی نے صوفیا کے افکار اور اعمال کا تلخ مگر قریب حقیقت نقشہ کھینچا ہے۔ اور اسلام کے متوازن نظامِ زندگی کو سامنے رکھ کر تجزیہ کیا ہے۔

زہد

اسلام میں حبِ دنیا سے پرہیز کی تلقین تو کی گئی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مال و دولت سے مکمل طور پر اجتناب برتا جائے لیکن صوفیا کے ہاں زہد یہی ہے سو وہ سمجھتے ہیں۔ خواہ کوئی حلال طریقہ سے مال کمائے اور خواہ نیک راہ میں خرچ کرے فقرا کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا۔ [3] ان کے نزدیک مال جمع کرنا خواہ وہ نیک مقاصد کے لئے ہی کیوں نہ ہو خلاف توکل ہے [4]۔ بلکہ خدا کے ساتھ سوء ظن ہے [5]۔ ابن الجوزی اس تصورِ زہد کی تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جو لوگ اس نظریہ کے مطابق اپنے پاک مالوں سے دستبردار ہو گئے۔ انہیں گزارے کے لئے صدقات پر بھروسہ کرنا پڑا۔ جو لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل ہوتے ہیں۔ وہ ابن شاذان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، کہ شبلی کے پاس چند صوفی مہمان آئے۔ تو انہوں نے اپنا ایک مرید ایک مالدار آدمی کے پاس بھیجا تاکہ اس سے کچھ کھانے کے لئے مانگ لائے۔ اس نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابوبکرؒ تو خدا کے عارف ہو کر

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۵۶/۲۵۷ [2] ایضاً ص ۲۶۱ [3] ایضاً ص ۲۷۲ [4] ایضاً ص ۲۷۴ [5] ایضاً ص ۲۷۲

سے کیوں نہیں مانگ لیتے۔ شبلی نے کہا اسے جا کر کہو: دنیا ایک سفلہ چیز ہے اسے تجھ جیسے سفلہ ہی سے مانگتا ہوں، اور حق تعالیٰ سے حق کا طلب گار ہوں۔ یہ سن کر اس نے سو دینار بھیج دیئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ اگر وہ مالدار آدمی شروع ہی میں کچھ دے دیتا تو ٹھیک تھا۔ اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ [1] ابن الجوزی کہتے ہیں کہ پہلے صوفی اگرچہ غلط طور پر ہی اپنے مالوں سے الگ ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کا مقصود نیک تھا۔ اب تو صوفیا کمانے کی طاقت کے باوجود مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مالدار صدقے کر آئے اور دستک دے۔ یہ لوگ رسم زہد کی جان کاہیوں کا بری طرح شکار ہیں۔ تصوف کی رسم بھی نبھائی ہے، اور مال بھی جمع کرتا ہے۔ اس لئے خود نہیں کماتے لیکن مالداروں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان صدقات کے لئے کچھ خفیہ نام مقرر کر رکھے ہیں۔ جیسے "فتوح" وغیرہ۔ ایسے صدقات ظالموں کے ہاں سے آئیں تو بھی رد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ خدا کا بھیجا ہوا عطیہ ہیں۔ انہیں رد نہیں کرنا چاہیئے [2] یہاں عطایا سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ مثلاً ابوالحسن منتظم جو رباط ابن المحیان کے [illegible] تھے، اور زندگی بھر صوف پوش رہے۔ مرے تو چار ہزار دینار ترکہ چھوڑا۔ صوفیا کی یہ روش سراسر خلاف اسلام ہے۔ اللہ نے خود مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

لا تؤتوا السفهاء اموالكم التي جعل الله لكم قياماً (اپنے مال بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو۔ مال کو اللہ نے تمہارے لئے قوت (کا موجب) بنایا ہے)

حضور علیہ السلام نے حضرت سعد سے فرمایا کہ "تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ۔" آپؐ نے سعد کے لئے مالدار ہونے کی دعا بھی فرمائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیاء نے اس سلسلے میں غلط روش اختیار کی ہے۔ [3]

لباس کے معاملے میں بھی صوفیاء کا مسلک اسی قسم کا ہے۔ اسلاف تنگ دستی کی بنا پر پیوند لگے ہوئے معمولی اور بعض اوقات ایک جوڑا ہونے کی وجہ سے میلے کپڑے پہنتے۔ لیکن اب صوفیاء مختلف رنگوں کے کپڑے لے لیتے ہیں اور ان کے ٹکڑوں کو جوڑ کر لباس بنا لیتے ہیں تاکہ پیوند لگا ہوا معلوم ہو سکے [4] ایسے بھی صوفیا ہیں جو صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ تو جبّے سے اس کی آستینیں ظاہر کر دیتے ہیں یا اندر تو نرم لباس پہنتے ہیں اور اس کے اوپر دکھانے کے لئے صوف کا جبّہ ڈال لیتے ہیں۔ [5] اس کو اسلام نے لباسِ شہرت کہا ہے جس سے ریاکاری

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۸۱ - (۲) ص ۲۸۳ - (۳) ص ۲۷۸ - (۴) ص ۲۸۶ -
(۵) ص ۲۸۶ ؛

جھلکتی ہے۔ اس سلسلے میں بعض صوفیاء کا غلو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ابوالحسن ابن الحباب جو ابن الکرینی کے مصاحب تھے روایت کرتے ہیں کہ ابن الکرینی نے مجھے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مُرقعہ (پیوند لگا ہوا جُبّہ) میں لے لوں۔ میں نے وہ مُرقعہ تولا تو گیارہ رطل کا تھا۔[1] جعفر کہتے ہیں کہ صوفی مرقعوں کا نام "وزن" سے لیتے ہیں۔ ابن الجوزی صوفیاء کے طرزِ عمل کا نقشہ کھینچ کر تفصیل سے حضور علیہ السلام، صحابہ، اور اسلاف کی طرزِ زندگی پیش کرتے ہیں کہ کس طرح وہ لباس کے معاملے میں اعتدال کی روش رکھتے تھے۔ خود بزرگ ترین صوفی، حسن بصری قیمتی لباس پہنا کرتے تھے۔[2]

کھانے کے معاملے میں بھی زہد کے اس مخصوص مفہوم نے صوفیاء کو مضحکہ خیز حد تک سخت اور انتہاپسند بنا دیا ہے۔ مثلاً کئی کئی دن تک نہ کھانا۔ جب کھانا تو بہت کم مقدار میں کھانا۔ تصوف کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ سہل بن عبداللہ کے متعلق کہا جاتا ہے، "کہ کچھ مدت تک بیری کے پتے کھاتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بھوسے پر گزارہ کیا۔" ابراہیم سنا کہتے ہیں: "ایک سفر میں میں ذوالنونؒ مصری کے ہمراہ تھا۔ افطار کے وقت میں نے روٹی اور نمک نکالا اور انہیں دعوتِ شرکت دی۔ انہوں نے پوچھا نمک پسا ہوا ہے۔ میں نے کہا، ہاں، کہا تم کو نجات نہ ملے گی۔ پھر توشہ دان سے تھوڑا سا ستو نکالا اور اسے پھانکنے لگے۔"[3] علی رودباری کا قول ہے: "اگر صوفی پانچ روز کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں۔ تو اس سے کہو بازار میں رہے اور کوئی دھندا کرے، وہ تصوف کے لائق نہیں"[4]۔ حالانکہ یہ سب چیزیں کسی طور پر بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام خود شہد اور مکھن ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی اور چھوہارے ملا کر کھانے کو پسند فرماتے تھے[5] بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا: "من اصابہ جھد فی رمضان فلم یفطر دخل النار"[6]۔ ترجمہ: جس شخص کو رمضان میں سخت تکلیف محسوس ہوئی پھر بھی اس نے افطار نہ کیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

صوفیاء میں سے حسن بصری روزانہ گوشت خریدتے تھے[7]۔ ابن الجوزی احادیث اور آثار سے واضح کرتے ہیں کہ نفس کا بھی انسان پر حق ہے۔ اور اگر حقدار کا حق ادا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے اور اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس انتہاپسندی کا ذکر کرنے کے بعد ابن الجوزی اپنے زمانے کے صوفیاء کی اس برعکس انتہاپسندی کا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔ "ہمارے زمانے کے صوفیاء کا معاملہ برعکس ہے۔ ان کی مستیوں کی جولانیاں کھانے پینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ناشتے کھانے اور شیرینی کی قسم کی لذائذ کام و دہن سے خوب متمتع ہوتے ہیں۔ اور مزیدار بات یہ ہے کہ خود کمانے اور جد و جہد کرنے سے بھی بچے رہتے ہیں۔ ان کا کام کھانا ہے یا خوش فعلیاں کرنا ہے۔" پھر انہوں نے ابومرحوم صوفی کی بسیار خوری کی عجیب حکایتیں بیان کی

(۱) ۲۹۸ - (۲) ۳۱۲ (۳) ۳۱۳ (۴) ۲۱۴ (۵) ۳۱۴ (۵) ۳۲۶ !

ہیں، جن کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شاید ساری عمر انہوں نے بسیار خوری میں کمال حاصل کرنے کیلئے صرف کی ہوگی[1]۔

توکل

صوفیاء نے توکل کو جو مفہوم عطا کیا ہے اس میں بھی ان کی روایتی انتہاپسندی پوری طرح کارفرما ہے۔ ابوسلیمان دارانی کا قول ہے: "اگر ہم اللہ پر توکل کرتے تو دیواریں تعمیر نہ کرتے اور نہ ہی چوروں کے ڈر سے گھر کے دروازوں کے لئے تالے بناتے"۔ ذوالنون مصری کا قول ہے۔ "میں نے برسوں سفر کیا لیکن ایک موقعہ کے علاوہ میرا توکل کبھی درست نہیں رہا۔ اس موقعہ پر ہوا یوں کہ کشتی دریا کے درمیان میں آکر ٹوٹ گئی۔ پہلے تو میں نے ایک تختے کا سہارا لیا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر اللہ نے میرے ڈوب جانے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ تختہ مجھے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ میں نے تختہ چھوڑ دیا۔ اور تیرکر کنارے آپہنچا"۔ اسی طرح عبداللہ بن سالم کی رائے میں کمانا توکل کے خلاف ہے[2]۔ بعض صوفیاء تو علاج کو بھی توکل کے خلاف سمجھتے ہیں[3]۔

اسلام میں توکل کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو توکل "اعتماد القلب علی اللہ" (دل کا اللہ پر بھروسہ کرنے) کا نام ہے۔ یہ بھروسہ اسباب کے حصول سے نہیں روکتا۔ اونٹنی والے کو حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا "اعقل فتوکل" (اس کا گھٹنا باندھ پھر بھروسہ کر) آپ کا غارِ ثور میں پوشیدہ ہو جانا۔ طبیبوں سے مشورہ لینا اور گھروں کے دروازے بند کرنے کی ہدایت فرمانا، اسلامی توکل کے معنی کو متعین کرتے ہیں۔ خود قرآن اسباب کے حصول کی تلقین کرتا ہے:

واعدوا لہم ما استطعتم ...: ترجمہ: (تم ان کے مقابلے میں جتنا کر سکتے ہو تیاری کرو) صوفیاء کے ہاں توکل کے عجیب و غریب مفہوم سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ توکل کو باقاعدہ آزماتے ہیں۔ آزمانے کے یہ واقعات سیر و سفر کے موقعوں پر اکثر پیش آتے رہے ہیں۔ ابن الجوزی اپنے مخصوص تیز و تند لہجے میں یوں لکھتے ہیں: "اکثر صوفیاء کو شیطان نے اس طرح فریب دیا کہ ان کا نہ تو کسی خاص مقام پر جانے کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ ہی غرض طلب علم ہوتی ہے، بلا مقصد تنہا سفر پر نکلتے ہیں۔ اپنے ساتھ زادِ سفر نہیں لیتے اور اس سے توکل کا دعوے کرتے ہیں۔ بعض تنہا ویرانوں اور جنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ علی بن سہل نے اپنے سفر کا قصہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے بزعم خویش توکل کا مفہوم سمجھا۔ وہ کہتے ہیں: میں ایک خوفناک جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ کہ ایک چھوٹے بچے کو بھی تنہا سفر میں دیکھا۔ وہ حج کے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اسے بغیر زادِ راہ تن تنہا سفر کرنے پر ٹوکا تو اس نے جواب دیا: اگر تیرا کوئی بھائی یا دوست تجھے اپنے گھر بلائے تو کیا تو منا سب سمجھے گا کہ اپنے ساتھ کھانا لے جائے۔ اور اس کے گھر جا کر وہی کھانا کھائے؟" ابن الجوزی نے توکل کو آزمانے کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں: "میں شیراز

(۱) ۳۲۶ (۲) ۴۰۰ - (۳) ۴۰۵ (۴) ۴۱۲ -

سے چلا جنگل میں تنہا سویا، بھوک اور پیاس کی تکلیف سہی، اور اس حد تک مصیبتیں اٹھائیں کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے۔[1] محمد بن سلیمین بیان کرتے ہیں: "کوفے کے راستے میں میں نے دیکھا کہ سرِ راہ ایک اونٹ مرا پڑا تھا۔ آٹھ دس درندے اسے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ وہ گاہے گاہے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو دل مضطرب ہوا۔ دل چاہا کہ دائیں بائیں مڑ کر چلا جاؤں لیکن میں نے نفس کی یہ بات نہ مانی، چلتا ہوا ان درندوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پھر اتنا قریب ہو گیا کہ ان میں شامل نظر آتا تھا میں اس وقت اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے خوف و ہراس میں پایا۔ اس لئے وہیں جما رہا۔ پھر بھی خوف محسوس ہوا، تو وہیں لیٹ گیا۔ آخر مجھے وہیں نیند آ گئی۔ اٹھا تو دیکھا کہ وہ درندے جا چکے تھے۔[1]

ابن الجوزی ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام تو فرماتے ہیں "جذام زدہ آدمی سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔" اور حضرت موسیٰ سفر پر روانہ ہوئے تو زادِ راہ ساتھ لیا۔ پھر یہ صوفیاء کا توکل آخر کیسا ہے جو انبیاء کے توکل سے بھی بڑھا ہوا ہے۔[2]

سماع اور وجد

ابن الجوزی نے سماع کے بارے میں صوفیاء کے مسلک پر کافی لمبی بحث کی ہے اور ان کے دلائل کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں: "ہم ایسی حالت میں پہنچ گئے ہیں کہ اب احوال کا اختلاف ہم پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ لہٰذا ہمارے لئے موسیقی حرام نہیں رہی۔" پھر مشہور صوفی، ابو علی رودباری کی تنقید نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے جب یہ قول سُنا تو کہا۔ ہاں وہ پہنچ گئے ہیں لیکن کسی درجے پر نہیں بلکہ جہنم میں، کیونکہ سرشت کے اعتبار سے انسان سبھی ایک جیسے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ یا تو فرشتے ہو گئے ہیں یا غلط دعویٰ کرتے ہیں۔[3] موسیقی کے بعد وجد آتا ہے بعض صوفیا تو وجد میں باقاعدہ رقص کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ گانے کو طبیعت کی روانی اور رقتِ قلب کا سبب گردانتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے حیرت انگیز واقعہ یوسف بن حسین کا ہے۔ ایک بار ابو الحسین دراج ان کی ملاقات کو گئے۔ یوسف آس پاس کے لوگوں میں زندیق مشہور تھے۔ جب یہ ان سے ملے تو وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابو الحسین سے کچھ گانا سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے ایک قطعہ سنایا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

رأيتك تبني دائماً في قطيعتي ولو كنت ذا حزم لهدمت ما تبني

یوسف بن الحسین نے قرآن مجید بند کر دیا اور اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور کپڑے بھیگ گئے۔ پھر کہا: رَے کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ میں نماز کے وقت سے یہاں بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں

(۱) تلبیس ابلیس ص ۳۲۳ (۲) ۳۱۷ (۳) ۳۵۵ (۴) ۳۷۷

اور ایک قطرہ بھی میری آنکھ سے نہیں ٹپکا۔ مگر تمہارا یہ شعر سن کر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔[1]

راگ سن کر رقص کرنا اور کپڑے پھاڑنا۔ ان لوگوں میں عام تھا۔[2] اور اس سلسلے میں قرآن مجید سے دلائل دیتے ہیں مثلاً ارکض برجلک "اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر مارئیے"[3] (ان کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں سے چشمہ نکلا اور اس سے غسل کر کے ایوب علیہ السلام شفایاب ہو گئے) صوفیا اس کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ زمین پر پاؤں مارنا رقص کے مترادف ہے۔ بعض اصحاب وجد میں زیادہ سرور میں آ جاتے ہیں اور کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں۔ اور بعض جاہل اس پر دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو شدتِ غم و الم سے توراۃ کی تختیاں پھینک دی تھیں۔ اس لئے ہم شدتِ جذبات میں اس طرح کرتے ہیں تو ہم پر کیسی ملامت؟

شطحیات

ابن الجوزی نے صوفیاء کے بعض انوکھے شطحیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً ابو یزید کا قول ہے: "میں چاہتا ہوں کہ قیامت جلد قائم ہو۔ تاکہ میں اپنا خیمہ جہنم پر نصب کروں۔ لوگوں نے پوچھا کس لئے؟ کہا، اس لئے تاکہ اس سے ثابت ہو جائے کہ خدا کا فضل و کرم اس کے دوستوں پر دوزخ میں بھی ہوتا ہے۔[4] سمنون صوفی اپنا نام "کذاب" رکھتے تھے۔ اور اس طرح کے اشعار کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

ولیس لی فی سواک حظ فکیف ما شئت فامتحنی

ترجمہ: تیرے بغیر کسی میں میرا کوئی حصہ نہیں اس لئے تو جیسے چاہے مجھے امتحان میں ڈال

شطحیات سے پہلے زہد اور توکل وغیرہ کے متعلق صوفیاء کے نظریات اور عمل کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سلسلے میں جادہ فطرت سے انحراف کی صحیح ترین مثالیں وہ ہیں۔ جن کو ابن الجوزی نے "الافعال المنکرہ" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ دوسرے عنوانوں سے جو کچھ بیان ہوا وہ بھی عدم توازن اور انحراف کی ذیل میں آتا ہے اور یہ سب کچھ اگرچہ تصوف کے بعض اصولوں میں ضرورت سے زیادہ شدت پیدا کرنے کے سبب ہوا۔ لیکن نیچے بیان کئے جانے والے واقعات میں یہ انحراف اس قدر نمایاں ہے کہ کسی تاویل کو بھی قبول نہیں کرتا۔ مثلاً ابو الکرینی کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہیں غسل کی ضرورت پیش آئی تو دجلہ کے کنارے آئے۔ سخت سردی کی وجہ سے طبیعت فوراً غسل پر آمادہ ...... معلوم نہ ہوئی تو خرقے سمیت دجلہ میں کود پڑے اور خوب غوطے لگائے۔ پھر عہد کیا کہ جب تک خرقہ خشک نہ ہو گا۔ اسے بدن سے نہیں اتاروں گا۔ وہ خرقہ مہینہ بھر خشک نہ ہو سکا۔ اور اس طرح سے انہوں نے طبیعت کو سزا دی۔

(۱) ۳۶۰ (۲) ۳۶۳ (۳) ایوب علیہ السلام کی شفایابی کے وقت آیا (قرآن) (۴) ۳۷۴

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ کہاں جائز ہے کہ انسان اپنے آپ کو خواہ مخواہ عذاب میں ڈالے؟[1] بعض لوگ ایسے اشخاص کو اجرت پر مقرر کرتے تھے جو ان کو گالیاں دیں تاکہ ان کا نفس حلم اور بردباری سیکھے۔[2] حسن بن علی دامغانی سے ایک شخص نے کہا: "میں تیس برس سے روزانہ دن کو روزہ رکھتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن جو باتیں آپ کہتے ہیں مجھے اپنے دل میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ انہوں نے کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے۔ اور اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ فوراً جا کر حجام سے سر اور داڑھی منڈوا ڈالو۔ لباس اتار کر ایک چادر باندھ لو اور گلے میں ایک جھولی اخروٹوں کی بھر کر اپنے گرد لڑکوں کو جمع کرو اور اعلان کرو کہ جو کوئی مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔"

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ الحمد للہ ہماری شریعت میں ایسی چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس للمومن ان یذل نفسہ یعنی مومن کو جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے۔[3]

ابو علی رودباری نے ابو بکر الدقاق کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک عرب قبیلے کے مہمان ہوئے۔ تو ایک خوبصورت لڑکی کی طرف یونہی نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور جب ندامت ہوئی تو اپنی وہ آنکھ نکال ڈالی جس سے اس کی طرف نظر کی تھی۔

شعرانی نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک نیک اور صوفیہ رہا کرتی تھی۔ ایک روز وہ بازار گئی کسی آدمی نے اسے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا۔ اس عورت نے اس سے پوچھا: "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا، میں تجھ پر مفتون ہو گیا ہوں۔ اس نے پوچھا، تجھے میری کونسی چیز پسند آئی؟ مرد نے جواب دیا، تیری یہ دونوں آنکھیں، تو وہ گھر کے اندر گئی اپنی دونوں آنکھیں نکالیں اور دروازے کی اوٹ میں آ کر اس کی طرف پھینک دیں اور کہا انہیں لے جاؤ خدا تمہیں برکت نہ دے۔[4]

ابن الجوزی نے ان انحرافات کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ مختصر طور پر ان کا تذکرہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گا۔

الف۔ سخت ریاضتوں اور خصوصاً بھوک برداشت کرنے سے انسانی مزاج اعتدال پر نہیں رہتا۔ فاقے اور سختیاں جھیلنے کی وجہ سے صوفیاء ایک قسم کی مراقی کیفیت کا شکار ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں توازن سے محروم ہو گئے۔

(ب) علوم شریعت سے صوفیاء کی دلچسپی کا خاتمہ بھی اس کا ایک سبب بنا۔ اس سے غلط اور صحیح کی پہچان ختم ہو گئی اور انتہا پسندانہ رجحانات کو تقویت ملی۔

ج۔ غلط یا صحیح کی تمیز کئے بغیر مرشد کی پیروی۔ تصوف میں مرشد کی اطاعت، مرشد پرستی کی حد تک جا پہنچی۔ ان کی غلطی، غلطی نہیں سمجھی جاتی۔ نتیجۃً مرشد کی ساری غلطیاں مریدوں کو منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح یہ نہ صرف آئندہ نسلوں تک پہنچتی ہیں بلکہ ہر عہد میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

---

[1] ۳۷۸ (۲) ۳۸۱ (۳) ۳۸۲ (۴) ۳۸۲۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفیاء پر ابن الجوزی کی تنقید بہت سخت ہے۔ اور اس نے جو جارحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اس کی نسبت نرم انداز بھی اختیار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ ابن الجوزی کے زمانے میں صوفیاء کی زندگیاں جس انداز سے گزر رہی تھیں۔ اور عام عقائد جس طرح اسلامی روش سے ہٹ گئے تھے۔ اگر وہ صورت برقرار رہتی تو اسلام کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ ان کی تنقید ابن تیمیہ کی اصلاحی کاوشوں اور اس نوع کی دوسری جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود تصوف کے اندر بھی اصلاحی تحریکیں نمودار ہوئیں۔ اور الحمد للہ اب تصوف میں عدم اعتدال اور فطرت سے انحراف کی بیان کردہ صورتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

مجدد صاحب کی تحریک، تصوف اور عام عقائد کی اصلاح کی عظیم تحریک تھی۔ موجودہ دور کے صوفیاء ان کی تعلیمات کے براہ راست زیر اثر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تصوف کے وہ سلسلے زیادہ مقبول ہیں۔ جن میں پیروئ سنت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور ایک اچھا صوفی وہی سمجھا جاتا ہے جو اسلامی اصولوں پر صحیح معنی میں کاربند رہے۔ اب طریقت اور شریعت کی دوئی مٹ گئی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ تصوف کو اعتدال کی اس منزل تک پہنچانے میں ابن الجوزی کی تنقید نے ایک اہم کردار ادا نہیں کیا؟ ؛

ہم سے طلب فرمائیے!

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

★ دعوت دین اور اس کا طریق کار
صفحات ۳۱۲، قیمت ۳/۷۵ روپے

★ اسلامی قانون کی تدوین
صفحات: ۱۶۰، قیمت ۳ روپے
سستا ایڈیشن ۲ روپے

★ تزکیۂ نفس
صفحات ۴۴۴، قیمت ۶/- روپے

★ عائلی کمشن رپورٹ پر تبصرہ
صفحات ۱۲۸
قیمت ۲/۷۵ روپے

دارالاشاعت الاسلامیہ
امرت روڈ، کرشن نگر لاہور (فون ۶۹۵۲۲)

بریدِ فرنگ

ابصار احمد ایم اے (فلسفہ) جامعہ ریڈنگ، انگلستان

انگلستان میں

ماہِ صیام و عیدِ سعید

ریڈنگ: ۴؍ دسمبر ۶۷ء

• آپ کا خط گزشتہ جمعہ کو مل گیا تھا۔ میثاق دو روز بعد پیر کو ملا۔ نومبر دسمبر کا میثاق مضامین میں تنوع کے اعتبار سے بہت اچھا تھا۔ پروفیسر چشتی صاحب کا مضمون خاصا معلومات افزا ہے۔ اور تحریر میں ان کا زور دار اندازِ تکلم جھلکتا ہے۔ بھائی جان (اظہار احمد قریشی) کا شذرہ ایک سلیم الطبع انجینئر کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر وہ اسی طرح کچھ نہ کچھ لکھتے رہے تو میرے خیال میں بحیثیت مجموعی مفید رہے گا۔

میرے متعلق "بریدِ فرنگ" میں جن نیک خواہشات کا آپ نے اظہار کیا ہے اس کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالےٰ مجھے آپ کی توقعات کو پورا کرنے کی ہمت و توفیق عطا کرے۔ آمین۔

یہ پرچہ اچھا خوبصورت رہا ہے۔ دعا ہے کہ یہ مزید ترقی کرے۔ آمین۔

پچھلے ہفتے یہاں موسم سرما کی پہلی برفباری ہوئی۔ کئی روز تک تمام سطحیں برف سے ڈھکی رہیں۔ برف پر چلنا پھرنا اسی طرح رہا ——— "

۲۵؍ دسمبر ۶۷ء

• جملہ حالات بدستور اور قابلِ شکر ہیں۔ سردی معمولی پڑ رہی ہے۔ برفباری ایک ہفتے سے نہیں ہوئی۔ بارش کا چھینٹا عموماً پڑتا رہتا ہے۔ ویسے بھی مطلع ابر آلود رہتا ہے۔ دو ایک روز سے ہوا بھی تیز ہے۔ ہسپتال میں آج کل ہم چند سٹوڈنٹ ہیں۔ خاموشی اور اداسی HOME SICKNESS کا

باعث بنتی ہے۔

شہر میں ہل سٹریٹ میں تراویح ہو رہی تھیں۔ گزشتہ ہفتے سے میونخ (جرمنی) سے ایک حافظ قاری بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حافظ معین الدین صاحب کراچی کے رہنے والے ہیں۔ اور دو سال سے جرمنی میں پرنٹنگ ٹیکنالوجی کے سٹوڈنٹ ہیں۔ میونخ میں اگرچہ کئی ہزار ترک مسلمان ہیں۔ لیکن انہیں رمضان میں قرآن سنانے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ وہ ترک حضرات پورا قرآن سننے پر تیار نہ تھے اپنا ہی الگ طریقہ بنایا ہوا ہے۔ مختصر سی چند سورتیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ معین الدین صاحب یہاں کے حضرات کی دعوت پر ریڈنگ آ گئے۔ کل تین راتوں میں پانچ پانچ پارے سنائے۔ آج آخری دو پارے پڑھنے کے بعد قرآن مجید ختم ہو جائے گا۔

کل کے علاوہ گزشتہ دو راتیں وہاں لگائی ہیں۔ اگرچہ ڈھائی گھنٹے میں پانچ پاروں کا سننا بڑا صبر آزما ہے۔ لیکن چونکہ حافظ صاحب قاری بھی ہیں۔ اس لئے بہت لطف رہا ——— خوش الحانی کے علاوہ الفاظ کی ادائیگی مکمل اور بہت صحیح تھی۔

کل لندن گیا تھا۔ اپنے استاد پروفیسر اکرام علی صاحب سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔ روزہ افطار کرنے اور کھانے کے بعد کرسمس کی رونق اور چراغاں دیکھنے ٹرافلگر سکوئر اور پکاڈلی کا چکر لگایا۔ گیارہ بجے رات واپس ریڈنگ آ گیا۔ روشنیوں، CHRISTMAS TREES، بینڈ باجے اور CAROL-SINGING کرسمس کی اہم تقریبات ہوتی ہیں۔ کرسمس کے تحائف کی خریداری اور چہل پہل بھی خوب ہے۔

میثاق کے پرچوں کے مضامین گاہے گاہے دیکھتا رہتا ہوں اور اکثر ایک مضمون کو کئی کئی مرتبہ پڑھتا ہوں۔ مثلاً جون ۶۷ء کے پرچے کا تذکرہ و تبصرہ بلا مبالغہ پانچ چھ مرتبہ پڑھا ہے اور ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ ہاتھ لگا ہے۔ تازہ شمارے میں مولانا عبد الغفار حسن صاحب کی تقریر (رحیم یار خاں والی) بہت پسند آئی۔

پچھلے دنوں امریکن ماہر نفسیات C.W. ALLPORT کی تصنیف THE INDIVIDUAL & HIS RELIGION زیر مطالعہ رہی۔ "SUBJECTIVE RELIGION" کے اثبات پر نہایت مدلل کتاب ہے۔ میں اپنے مقالے کیلئے نفسیاتی تحریروں سے بھی استفادہ کروں گا۔ (جس کی تاکید آپ نے بھی کی ہے)۔"

۴ ر جنوری ۱۹۶۸ء

نمازِ عید لندن کے اسلامک سنٹر میں ادا کرنے کا پروگرام تھا۔ اس سنٹر میں مصری حضرات کا اثر و رسوخ ہے۔ چنانچہ انہوں نے عید یکم کو منائی جبکہ لندن ایسٹ، اسلامک مشن اور انگلینڈ کے سوادِ اعظم نے نمازِ عید دو تاریخ کو ادا کی۔ میں نے بھی ساتھ مسلمانانِ ریڈنگ کا دیا۔ چنانچہ یہیں ساڑھے دس بجے شہر میں FATHER SON ROAD پر سینٹ جارج ہال میں نماز ادا کی۔ حاضرین ۳۰۰ سے اوپر تھے۔ جن میں اکثریت مغربی و مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تھی۔ چند لوگ عرب ممالک کے تھے۔ خطبہ اور امامت لندن کے ایک بنگالی مولانا نے کی۔ بعد ازاں ایک صاحب اپنے ہاں لے گئے اور سوّیوں سے تواضع کی شام کو ہم نے سیل ہال میں مرغ اور پلاؤ وغیرہ پکایا اور چھ سات (پاکستانی) طلباء کے ساتھ اکٹھے کھایا۔

الغرض وطن سے دور پردیس میں یہ پہلی عید گزر گئی۔ اور آپ سب حضرات کی یاد مسلسل آتی رہی۔"

تاریخِ اسلامی کے دورِ فتن

کے بارے میں

صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے

مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے

(۱) وفاتِ سرورِ کائنات ﷺ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۴۰ ر ۲ روپیہ
(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ	سلام اللہ صدیقی جونپوری	۰۰ ر ۱۲ "
(۳) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ	" " " "	۴۰ ر ۱۲ "
(۴) حضرت عمرو بن العاص	" " " "	۹۰ ر ۲۲ "
(۵) تاجدارِ مدینہ کی شہزادیاں	" " " "	۱۵ ر ۱۲ "
(۶) اہلبیت اور اہلسنت	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱۵ ر ۱۲ "
(۷) اسلامی حکومت کے نقش و نگار	مولانا ظفیر الدین مفتاحی	۰۰ ر ۲۶ "
(۸) تحفۂ کربلا	محمد احمد الٰہ آبادی	۰۰ ر ۴۶ "
(۹) سکینہ بنت حسین	از طیب بیگم صاحبہ	۷۰ ر ۰ "
(۱۰) مولانا مودودی اور سیدنا عثمان غنیؓ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۴۰ ر ۲۲ "

دار الاشاعت الاسلامیہ۔ امرت روڈ۔ کرشن نگر لاہور کوٹ فون نمبر ۶۹۵۲۲

بقیہ تذکرہ و تبصرہ صفحہ سے آگے

کے لئے 'وقف' کرنے کو تیار ہو جائیں۔

مولانا اصلاحی نے حلقۂ تدبرِ قرآن کی بنیاد اسی مقصد کے لئے رکھی تھی اور ابتداءً اس کا کام پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری بھی ہو گیا تھا لیکن باقاعدگی اور پوری دلچسپی و دلجمعی کے ساتھ یہ حلقہ غالباً صرف تین سال کام کر سکا۔ اور اگرچہ کچھ نہ کچھ کام تو اس حلقے کے تحت اب بھی جاری ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسے از سرِ نو منظم کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ یہ دوبارہ ایک فعّال اور جاندار حلقہ بن جائے اور مولانا کا جو وقت اس پر صرف ہو رہا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے ——— ہماری رائے میں اس کام کی اصل ذمہ داری برادرم خالد مسعود صاحب پر ہے۔ جس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش انہیں کرنی چاہیئے۔

اس حلقے کے تجربے سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ عربی زبان کی تعلیم و تدریس کا جو اسلوب مولانا نے اختیار فرمایا اور قرآن، حدیث اور فقہ کے درس کے لئے جو نصاب تجویز کیا وہ نہایت مفید ہے، اور سنجیدہ، فہیم اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دین کی تعلیم کا یہ طریقہ انتہائی کامیاب ہو سکتا ہے ——— اور دوسرے یہ کہ جو مقصد پیشِ نظر ہے، اس کے لئے جز وقتی کام سوائے استثنائی صورتوں کے مفید نہیں ہے۔ بلکہ محنت صرف ان نوجوانوں پر صرف کی جانی چاہیئے جو "تعلّم و تعلیم قرآن"[1] کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنا لیں اور اس کے لئے اپنے آپ کو 'وقف' کرنے کو تیار ہوں، گویا کہ یہی ان کا اصل CAREER بن جائے، اور اس کے لئے وہ "قوتِ لایموت" پر گزران اور ہر قربانی و ایثار پر آمادہ ہوں۔

ایسے نوجوانوں کی تلاش اور ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہی کا ایک تجربہ چند سال قبل منٹگمری میں ایک ایسے ہاسٹل کے قیام کی صورت میں کیا گیا تھا جس میں کالجوں کے زیرِ تعلیم طلباء میں سے دینی مزاج رکھنے والے طلبہ کو اس غرض سے رکھا گیا تھا کہ ایک طرف کالجوں میں وہ فکرِ جدید سے آشنا ہوں اور دوسری طرف ہاسٹل میں انہیں عربی، قرآن اور حدیث کی تعلیم دی جائے اور ان کی اخلاقی تربیت بھی کی جائے اور ان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کا جذبہ بھی پیدا کیا جائے ——— یہ ہاسٹل بھی اگرچہ تین سال ہی قائم رہ سکا تھا لیکن اس تجربے سے بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ عملی اعتبار سے یہ طریقہ بہت کامیاب ہے۔ اب خیال یہ ہے کہ یہی کام لاہور میں شروع کیا جائے، اور ایک "دارُ المقامہ"[2]

[1] : حدیثِ نبوی: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

[2] : "دارُ المقامۃ" آباد رہنے کی جگہ۔ سورۂ فاطر میں اہلِ جنت کے ایک قول میں جنت کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ارضِ لاہور پر ایسا قائم کیا جائے جو انسانوں کے لئے واقعۃً جنتِ فکر و نظر اور فردوسِ قلب و روح بن جائے ——— لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا کام اور ایک ایسی عظیم الشان مہم ہے جس کا سر کرنا آسان نہیں الّا ان یشاء اللّٰہ ——— راقم سطور ان شاء اللہ 'میثاق' کے اگلے ہی شمارے میں اس کے بارے میں کچھ باتیں مزید تفصیل کے ساتھ عرض کرے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس ہستی تبارک و تعالیٰ نے ہمارے دل میں اس نیک ارادے کو پیدا فرمایا ہے وہی اس کی تکمیل کی راہیں بھی کھولے گا۔ السّعیُ منّا و الاتمام من اللّٰہ ——!!

بہرحال 'حلقۂ تدبر قرآن' اگر وہ دوبارہ منظم و متحرک کیا جا سکا۔ اور مجوزہ 'دار المقامہ' اگر وہ قائم ہو سکا، ان دونوں میں سے کوئی ایک ترقی پا کر ——— یا دونوں باہم مدغم ہو کر 'قرآن اکیڈمی' کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز ○

'تدبر قرآن' جلد اول جب زیر طبع تھی تو کچھ حضرات نے پیشگی اس کے لئے آرڈر بک کرائے تھے۔ جب طباعت مکمل ہو گئی تو ہم نے احتیاطاً ان سب حضرات سے بذریعہ خطوط ان کی فرمائش کی توثیق چاہی۔ ان میں سے ایک صاحب 'جماعت اسلامی' کے رکن تھے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ تھا۔ ہوتا بھی تو یہ معاملہ بالکل دوسری نوعیت کا تھا: "دار الاشاعت الاسلامیہ" کے دفتر سے بالکل رسمی خط ان کی خدمت میں بھیجا گیا تھا لیکن ان صاحب نے نہ معلوم کس جذبے سے سرشار اور کس حالتِ کیف میں گرفتار ہو کر ایک 'تہدید نامہ' مولانا اصلاحی کے نام ارسال فرما دیا جس میں کچھ تفصیل اپنی حق پسندی اور جذبۂ تعاون علی الخیر کی درج فرما کر ٹیپ کا یہ بند ارشاد فرمایا:

"....... لیکن افسوس صد افسوس کہ بندہ آپ کی طرف سے مشکوک ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں ذرہ بھر بھی خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی کا خیال نہیں، تو پھر جناب کی تفسیر پر کیا اعتبار کیا جائے کہ اس میں حق باتیں درج ہوں گی اور اگر واقعی اس میں کوئی حق کی باتیں ہیں اور بندہ ان سے محروم ہو رہا ہے تو اس کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہے کہ ہمیں بدظن کر دیا ......"

اس شاہانہ انداز میں مولانا کو تنبیہ فرما کر ان صاحب نے جو ۱۹۴۳ء سے 'جماعت اسلامی' کے رکن ہونے کے مدعی ہیں ایک تو یہ امید ظاہر فرمائی ہے کہ:

"امید ہے کہ آپ میری سخت کلامی اور سوء ادبی سے ناراض نہ ہوں گے"

اور دوسرے یہ چیلنج دیا کہ:

"مہربانی ہوگی کہ 'میثاق' میں اس خط کو چھاپ کر اس کا جواب دیں!"

مولانا اصلاحی کو جب ہم نے یہ خط پڑھوایا تو ہمیں کسی قدر حیرت بھی ہوئی کہ واقعی ان صاحب کی امید صحیح نکلی اور مولانا ان سے قطعاً ناراض نہیں ہوئے۔ غالباً مولانا ان حضرات کے بارے میں اب 'فقدانِ توقع' کے اس 'مقام' پر پہنچ ہی نہیں گئے ہیں بلکہ 'مطمئن' ہو چکے ہیں جس پر پہنچنے کے بعد گلہ شکوہ خارج از بحث ہو جاتا ہے ——!

البتہ ہمیں بے اختیار چودھری محمد اکبر صاحب کا وہ تحدّی آمیز خط یاد آ گیا جو اس خط سے پورے ایک سال قبل ہمیں موصول ہوا تھا، اور ایک بار تو جی چاہا کہ اس چیلنج کو بھی قبول کر ہی لیا جائے۔ لیکن پھر کچھ مولانا کے اس مشورے کی بنا پر کہ "آپ ان لوگوں کا نوٹس نہ لیں!" اور کچھ اس خیال سے کہ پھر یہ حضرات یہ کہیں گے کہ ان لوگوں کو پورے پاکستان میں جماعت اسلامی سے بڑا کوئی منکر نظر ہی نہیں آتا! [1] اور خواہ مخواہ کی بحث چھڑ جائے گی۔ فیصلہ یہی کیا کہ اس چیلنج کے قبول کرنے سے معذوری کا اظہار ہی کر دیا جائے۔

البتہ اس موقع پر ہم یہ گزارش ضرور کر دینا چاہتے ہیں کہ 'جماعت اسلامی' پر تنقید سے خدا جانتا ہے کہ ہمیں کبھی کوئی خوشی حاصل نہیں ہوئی۔ ہم نے جماعت پر جو تنقید بھی کی ہے (جسے کوئی چاہے تو تخریبی بھی کہہ سکتا ہے) وہ صرف ایک 'تعمیر نو' کے پیش نظر کی ہے۔ کتاب (تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ) صرف اس غرض سے شائع کی گئی تھی کہ یہ واضح ہو جائے کہ جماعت اسلامی سے ہمارے اختلاف کی اصل نوعیت کیا ہے۔ پھر 'نقضِ غزل' کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا اس سے مقصود صرف اس امر کی وضاحت تھی کہ جماعت سے ہماری علیحدگی کا اصل سبب کیا تھا۔ باقی جو کچھ چودھری محمد اکبر صاحب کے 'چیلنج' کے جواب میں ہمیں مجبوراً کہنا پڑا، اس کی اصل ذمہ داری اُن ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد ہم نے دو باتیں مزید واضح کی ہیں: ایک یہ کہ ہمارے نزدیک جماعت اسلامی ملک کے سیاسی میدان میں اسلام کا نعرہ جس طریقے سے لگا رہی ہے وہ اسلام کے لئے بھی مضر ہے اور ملک کے لئے بھی، اور دوسرے یہ کہ ہمارے نزدیک جماعتِ اسلامی کا تصورِ دین مغربی عمرانی تصورات پر مبنی ہے اور حقیقتِ دین و مذہب سے ایسے ہی دوری کی نسبت ہے ——— اور کہ دین و مذہب کے احیاء کا اصل کام ابھی باقی ہے: اس ضمن میں ہمارے نزدیک فی الوقت "اسلام کی نشأۃ ثانیہ" کے لئے جو "کرنے کا اصل کام" ہے اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

اب ہم خدا کے فضل سے متعین مقاصد اور واضح طریق کار کے ساتھ مثبت تعمیری کام میں لگ جانا چاہتے ہیں اور متذکرہ بالا رکنِ جماعتِ اسلامی اور ان کے واسطے سے پوری جماعت اور اس کے تمام وکلاء [2] سے گزارش

---

[1] گویا کہ جماعت اسلامی کے منکر ہونے کا تو خود ان حضرات کو بھی اقرار ہے!

[2] پاکستان میں جماعتِ اسلامی کے وکیلِ اعظم جناب ماہر القادری نے بھی حال ہی میں حقِ 'وکالت' کی ادائیگی میں خواہ مخواہ 'میثاق' کا بھی تذکرہ کیا ہے جواباً ہماری یہی گزارش ماہر صاحب سے بھی ہے ——!!

کرتے ہیں کہ: لَنَا اَعمَالُنَا وَلَکُم اَعمَالُکُم لَا حُجَّةَ بَینَنَا وَبَینَکُم اللهُ یَجمَعُ بَینَنَا وَاِلَیهِ المَصِیرُ ۝ ہماری سعی و جہد کا نتیجہ ہمارے آگے آئیگا اور آپ لوگوں کی محنت وجد و جہد کے ثمرات آپ کے سامنے آئیں گے۔ باہمی بحث و نزاع کا حاصل کچھ نہیں، اللہ ہی ہمیں جمع کریگا اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

اس شمارے میں "تصوف پر ابن الجوزی کی تنقید" پڑھ کر شاید کچھ لوگ حیران ہوں کہ پہلے تصوف کی حمایت ہو رہی تھی، اب مخالفت شروع ہو گئی۔ حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ ہم صحیح تصوف کے جتنے شدید حامی ہیں غلط تصوف کے اتنے ہی سخت مخالف ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے مضامین کا جو سلسلہ چند ماہ قبل 'میثاق' میں شروع ہوا تھا اس کی آئندہ اقساط میں بھی اسی موضوع پر مفصل اور مدلل گفتگو آئے گی کہ باطنیوں نے صحیح اسلامی تصوف میں اپنے مخصوص مقاصد کے لئے کس کس طرح غلط باتیں داخل کیں۔ پروفیسر صاحب نے یہ مضمون بہت پہلے لکھا تھا اور اب وہ اس پر نظرثانی اور اپنی بعد کی تحقیق کی بنا پر مزید اضافے کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ تحقیقی مطالعہ قارئین میثاق کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

میثاق کی ظاہری و معنوی ترقی کے لئے جو کوششیں ہم کر رہے ہیں وہ قارئین 'میثاق' کے سامنے ہی ہیں۔ گزشتہ اشاعت سے صرف یہ کہ ایک کاپی کا مستقل اضافہ ہوا بلکہ پرچے کی ترسیل بھی لفافے میں شروع کر دی گئی تاکہ پرچہ محفوظ رہے — اور بھی جو ہم سے بن پڑیگا ہم کرینگے اس لئے کہ اسکا تعلق ہمارے مقصد زندگی سے ہے — کچھ تعاون اس سلسلے میں حلقہ میثاق کے احباب کو بھی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک گزارش تو ان دوستوں اور بزرگوں سے ہے جنہیں اب تک 'میثاق' اعزازی طور پر بھیجا جاتا رہا ہے کہ انہیں ہماری سرپرستی کے خیال ہی سے سہی بہرحال کچھ نہ کچھ انفاق کرنا چاہیئے۔ 'میثاق' کا سالانہ زر مبادلہ کوئی ایسی بڑی رقم نہیں۔ اس بوجھ کا اٹھانا صرف انہی لوگوں کے لئے مشکل ہو سکتا ہے جن کے دلوں میں 'میثاق' کی کوئی قدر نہ ہو۔ اور ایسے حضرات تک 'میثاق' اگر نہ بھی پہنچے تو ایسا کوئی بڑا حرج نہیں ہے۔ بنا بریں ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ "اعزازی فہرست" پر ذرا کڑی نظر ثانی کریں، احباب مطلع رہیں ——— دوسرے 'میثاق' کے 'قواعد و ضوابط' میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۲۰ر تاریخ تک نہ آئی تو دوبارہ پرچہ ارسال نہیں ہوگا۔ ——— اب تک ہم نے اس قاعدے پر عمل نہیں کیا، آئندہ اس پر سختی سے عمل ہوگا اور ۲۰ر تاریخ کے بعد پرچے کی دوبارہ ترسیل صرف اس صورت میں ہوگی کہ اس کی قیمت کے ٹکٹ ارسال کر دیئے جائیں۔ — ب

PLEASE
CONTACT

IZHAR LTD.,

ENGINEERS & CONTRACTORS
FOR YOUR
BUILDING CONSTRUCTION
PROBLEMS
OF ANY KIND

ESPECIALLY BIG INDUSTRIAL
BUILDINGS!
(HAVE COMPLETED 3 SUGAR MILLS RECENTLY)

MANAGING DIRECTOR
IZHAR AHMAD QURESHI
B. Sc. (Engg.) Hons., A.M.I.E.,

HEAD OFFICE
JAUHARABAD
(Distt. SARGODHA)

PHONE : 90 GRAMS : IZHARCO

ناشر: محی الدین طابع: محمد طفیل مالک نقوش پریس اُردو بازار لاہور